364

مدیر اعلیٰ
حافظ عبدالرحمن مدنی
حفظہ اللہ
مدیر
ڈاکٹر حافظ حسن مدنی

ملت اسلامیہ کا علمی اور اصلاحی مجلہ

مُحدّث

فروری ۲۰۱۴ء

مجلس التحقیق الاسلامی

۴ قوم وملت کا مفاد طالبان سے صلح ومذاکرات میں ہے!
۲۰ حلالہ ملعونہ مروّجہ کا قرآنِ کریم سے جواز
۳۷ ماہ ربیع الاول اور عید میلاد
۵۵ کرسمس کی حقیقت اور اسے منانے کی شرعی حیثیت

EARN HALAL, GROW HALAL

Our success depends upon your success

We Invite you

to be a part of our global network

50 in over countries

2 Million Customers in Pakistan

GET A FRANCHISE OF DARUSSALAM

IN PAKISTAN

Sialkot | Gujrat | Jhelum | Mirpur | Abbottabad | Bahawalpur | Sahiwal | Okara
Qasoor | Sargodha | Gujar Khan | Muzaffarabad | Nawab Shah | Sakhar
Quetta | Murree | Manangoora | Sawat

ALSO AVAILABLE IN
EUROPE, USA, AFRICA AND MIDDLE EAST

All Islamic items under one roof

Islamic Books | Hijab | Hajj & Umrah Kits
Non-Alcoholic Fragrances | Islamic Digital Devices

Mob: +92-334-0000423 | franchise@darussalampk.com

ملّتِ اسلامیہ کا علمی و اصلاحی مجلّہ

ماہنامہ محدّث لاہور پاکستان

مُدیرِ اعلیٰ: حافظ عبدالرحمن مدنی حفظہ اللہ

اعزازی مُدیر: ڈاکٹر حافظ حسن مدنی

جلد ۴۶ — فروری ۲۰۱۴ء، ربیع الاوّل ۱۴۳۵ھ — عدد ۱

مجلسِ اِدارت

ڈاکٹر حافظ انس مدنی — ڈاکٹر حافظ حمزہ مدنی

حافظ عمران الٰہی — محمد کامران طاہر

فہرست مضامین

فکر و نظر
قوم و ملّت کا مفاد طالبان سے صلح و مذاکرات میں ہے! — عبداللہ حسن — ۴

تحقیق و تنقید
حلالہ ملعونہ مروّجہ کا قرآن کریم سے جواز — حافظ صلاح الدین یوسف — ۲۰

فقہ و اجتہاد
ماہ ربیع الاول اور عید میلاد — ابو فوزان کفایت اللہ سنابلی — ۳۷

تحقیق و تنقید
کرسمس کی حقیقت اور اسے منانے کی شرعی حیثیت — حسنین شاکر زبیری — ۵۵
کرسمس کی اصلیت؛ تاریخ کے آئینے میں — عبد الوارث گل — ۷۴

اصلاحِ معاشرہ
فساد و بدامنی کا انسداد؛ احادیث نبویہ کی روشنی میں — ڈاکٹر حافظ محمود اختر — ۸۷

تبصرۂ کتب
اہل حدیث کا منہج اور احناف سے اختلاف کی حقیقت و نوعیت — حافظ طاہر الاسلام عسکری — ۱۰۵

موضوعاتی اِشاریہ
ماہنامہ 'محدّث' کا دو سالہ اشاریہ ۲۰۱۲ء، ۲۰۱۳ء، شمارہ نمبر ۳۵۳ تا ۳۶۴ — محمد شفیق کوکب — ۱۱۱

ترسیل کی شکایات
محمد اصغر
03054600861

زرِ سالانہ = ۳۰۰/ روپے
فی شمارہ = ۳۰/ روپے

بیرونِ ملک
زرِ سالانہ = ۲۰/ ڈالر
فی شمارہ = ۲/ ڈالر

Monthly Muhaddis
A/c No:984-8
UBL-Model Town
Bank Squre Market, Lahore.

دفتر کا پتہ
۹۹ جے، ماڈل ٹاؤن
لاہور 54700

042-35866476
35866396

Email:
IRC99J@gmail.com

Publisher:
Hafiz Abdur Rahman Madni
Printer:
Shirkat Printing Press, Lahore

مُحدّث کتاب و سُنّت کی روشنی میں آزادانہ بحث و تحقیق کا حامی ہے، ادارہ کا مضمون نگار حضرات سے کُلّی اتفاق ضروری نہیں!

magazine.mohaddis.com

عبداللہ حسن

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

وَاِنْ طَآئِفَتٰنِ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اقْتَتَلُوْا فَاَصْلِحُوْا بَيْنَهُمَا

قوم وملّت کا مفاد طالبان سے صلح ومذاکرات میں ہے!

پاکستان کا حالیہ سب سے بڑا مسئلہ دہشت گردی ہے اور ظاہر ہے کہ اسلام کسی بھی صورت مسلم معاشروں میں ایسی صورتحال گوارا نہیں کرتا۔ جب تک مسئلہ کو صحیح طور پر اپنی اساسات سے حل نہ کیا جائے، تشدد وانتہاپسندی کا دائمی خاتمہ ہونا ناممکن ہے۔ پاکستان میں دہشت گردی کا یہ سارا منظر نامہ چند مہینوں اور سالوں کی بجائے کم وبیش تین عشروں پر محیط ہے۔ اس مسئلہ کے کسی ایک پہلو کو پیش کرکے اس مسئلہ کی صحیح اور مکمل نوعیت کو نہیں سمجھا جاسکتا۔ ہر مکتبِ فکر اور حلقہ اپنے اپنے رجحان اور فہم کے مطابق اس مسئلہ کو مختلف پہلوؤں سے زیر بحث لاتا ہے جیسے اس المیہ کو مسلم اُمہ پر امریکی جارحیت وبربریت، برادر اسلامی ملک افغانستان پر ہونے والے امریکی ظلم کے جواب میں اُن سے دین ونسل کے رشتے میں بندھے مسلمانوں کی شرعی ذمہ داری، ڈرون حملوں کی شکل میں خود مختار پاکستانی ریاست پر ہونے والی مسلّمہ زیادتی اور بین الاقوامی جرم، پاکستانی حکومت کی امریکہ نوازی اور اُس سے مالی مفادات کے حصول کی شرعی حیثیت، پاکستانی شہریوں بشمول شمالی علاقہ جات کے باشندوں کے جان ومال کی ریاستی ذمہ داری، فریقین کے مابین معاہدات اور اُن کی پاسداری، رواداری وامن پسندی اور اس کا قیام، بم دھماکوں کا شرعی جواز اور مسئلہ تکفیر وخروج غرض کئی پہلوؤں سے دیکھا جاسکتا ہے۔ اس امر میں کوئی شبہ نہیں کہ اس ساری جنگ اور تشدد پسندی میں دونوں طرف سے بے شمار معصوم پاکستانیوں کا خون بہہ چکا ہے۔ ڈرون حملوں کی شکل میں مرنے والے معصوم بچے، عورتیں اور عام شہری ہوں یا بم دھماکوں میں مارے جانے والے پاکستانی مسلمان، دونوں صورتوں میں بڑے پیمانے پر ہونے والی ہلاکتوں کا اس سارے مسئلہ سے کوئی تعلق نہیں اور وہ سب بزبانِ

مجلس التحقیق الاسلامی کے زیر اہتمام ملت اسلامیہ کا علمی اور اصلاحی مجلہ

magazine.mohaddis.com

قرآن بأي ذنب قُتلت کا مصداق ہیں۔

اسلام اور عدل وانصاف کی رو سے جو جرائم، کسی اور جرم یا مسئلہ کے نتیجے میں واقع ہوتے ہیں، اُنہیں مستقل طور پر دیکھنے کی بجائے، سبب بننے والے جرم کی بنا پر ہی دیکھا جاتا ہے۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ پہلے جرم کے بعد جوابی جرم جائز ہو کر قانون کو ہاتھ میں لینا درست ہو جاتا ہے بلکہ جوابی جرم کی حیثیت اور نوعیت کا صحیح تعین پہلے کے تناظر میں کیا جاتا ہے اور اسی کی روشنی میں عدل وانصاف کے تقاضے پورے کیے جاتے ہیں۔ جیسے ایک مسلمان پر کوئی حملہ آور ہو، تو اپنے دفاع میں مظلوم کچھ بھی کر سکتا ہے، دورِ نبویؐ میں ایک شخص نے دوسرے کا ہاتھ چبایا تو دوسرے نے دفاع میں زور سے ہاتھ کھینچا جس کے نتیجے میں ظالم کے دانت اُکھڑ گئے اور نبی کریم ﷺ نے فرمایا: «فَيَدَعُ يَدَهُ فِي فِيكَ تَقْضِمُهَا كَمَا يَقْضِمُ الْفَحْلُ»[1]

"تو وہ کیا اپنا ہاتھ تیرے منہ میں رہنے دیتا تاکہ تو اُس کو بیل کی طرح چباتا رہتا؟"

اگر کوئی چور کسی کے گھر میں گھس آئے تو دفاع کی بعض صورتوں میں چور قتل بھی ہو سکتا ہے، اس صورت میں دیکھا جائے گا کہ قاتل کا مقصد چوری سے بچاؤ تھا یا اس نے اضافی اقدام کیا ہے۔ اگر کوئی اپنے مسلمان بھائی کی عزت وغیرت کو داغدار کرے تو جواباً اُس کو اس جرم سے روکنے کے لیے ہر اقدام کیا جا سکتا ہے، تاہم وقوعہ کے بعد قانون کو ہاتھ میں لینا درست نہیں اور جو قانون کو ہاتھ میں لے گا تو سابقہ مظلوم کے اس جرم کو پہلے ظالم کے تناظر میں ہی دیکھا جائے گا۔ ایسے ہی توہین رسالت کے جرم میں مجرم کو جارحیت کا نشانہ بنانے والا قانون کو ہاتھ میں لینے کا مجرم تو ہے لیکن اس کی سزا، پہلے شخص کے جرم کے تناظر میں ہی ہو گی اور اگر جرم ثابت ہو گیا تو اسے عدالت بری بھی کر سکتی ہے، جیسا کہ اس پر کئی احادیثِ نبویؐ شاہد ہیں۔ پاکستان میں حالیہ بم دھماکے، دہشت گردی اور معاہدات ومذاکرات بھی اکیلا مسئلہ نہیں بلکہ بہت سے سابقہ مسائل کے نتیجے میں پیدا ہو رہا ہے۔ چونکہ طالبان اس وقت بزبانِ حکومت مذاکرات کے لیے آمادہ نہیں ہو رہے، اس لیے ہمیں اُن کے موقف کو سمجھنا چاہیے۔ موجودہ الم ناک صورت حال کا پس منظر یہ ہے کہ

[1] صحیح بخاری: ۲۹۷۳، ۴۴۱۷، ۶۸۹۳؛ مسلم: ۱۶۷۴، مسند احمد: ۱۷۹۴۹

مجلس التحقیق الاسلامی کے زیر اہتمام ملت اسلامیہ کا علمی اور اصلاحی مجلہ

magazine.mohaddis.com

① **امن وامان کا بلاجواز خاتمہ:** پاکستان کے شمالی اور قبائلی علاقہ جات کے لوگ پر امن طور پر پچاس سال سے پاکستان کے ساتھ رہ رہے تھے، بالخصوص قبائلی علاقہ جات تو ایک معاہدہ کے نتیجے میں پاکستان کے ساتھ منسلک تھے اور وہاں پاکستانی حکومت کی رِٹ اور کنٹرول، دیگر پاکستانی صوبوں کی طرح قائم نہیں[1] تھا۔ اسی اثنا میں امریکہ نے نیو ورلڈ آرڈر، سبز خطرہ اور تہذیبوں کے تصادم کے اپنے سیاسی نظریات واَہداف کے زیر اثر عالم اسلام کو نشانہ بنانا شروع کر دیا۔ پاکستان کی ایٹمی قوت اور افغانستان میں ایک پر امن مسلم ریاست کے آغاز کے دنوں میں ہی نائن الیون کے حادثے کے بعد، پاکستان کے آمر حکمران نے ایک فون کال پر امریکہ کی تائید وحمایت کا سلسلہ شروع کیا۔ جس طرح امریکہ نے بلاجواز ایک مسلم ریاست پر حملہ شروع کر دیا، اسی طرح پاکستان کی سرزمین، نیٹو سپلائی، اطلاعات اور خبر رسانی کے ذریعے امریکہ کی حمایت میں بطورِ 'فرنٹ لائن سٹیٹ' استعمال ہونا شروع ہوئی۔ افغانستان سے نسل وایمان کے رشتے میں بندھے قبائلی لوگ بھی اس امریکی ظلم کے خلاف مجتمع ہوگئے۔ یہاں سے مسئلہ کا آغاز ہوا جبکہ اس سے پہلے یہ لوگ پر امن تھے۔ اُن کے امن وامان اور ان سے منسلک علاقوں کے مسلمانوں کو 'تحکم پر مبنی عالمی جارحیت' اور پھر اس وقت کی 'پاکستانی حکومت کی بلاجواز تائید' نے خراب کیا۔

② **پاکستانیوں کو امریکی عقوبت خانوں میں بھیجنے میں مدد:** قبائلی علاقہ جات میں پھیلنے والی اس صورتحال میں پاکستانی حکومت نے کئی پاکستانیوں کو امریکی عقوبت خانوں میں بھیجا اور اُن کے بدلے امریکی ڈالر وصول کیے، جس کی تفصیلات پرویز مشرف نے اپنی کتاب 'ان دی لائن آف فائر' میں بیان کی ہیں۔ نائن الیون کے بعد کے سالوں میں پاکستانی حکومت اپنی ریاستی ذمہ داری سے برابر انحراف کرتے ہوئے، امریکہ کی ہر طرح مدد کرتی رہی۔

1 فاٹا اور پاٹا کے قبائلی علاقوں کی پاکستان کے ساتھ الحاق کی نوعیت مختلف ہے اور کسی صوبے سے منسلک ہونے کی بجائے، وہاں قومی اسمبلی کے ممبران علیحدہ منتخب ہوتے ہیں۔ 'پولیٹیکل ایجنٹ' کے ذریعے حکومت پاکستان وہاں اثر انداز ہوتی ہے۔ اس سے ملتی جلتی صورتحال سوات کے علاقوں کی ہے، جو سابقہ ریاست سوات سے ایک معاہدے کے نتیجے میں پاکستان کا مشروط حصہ بنے تھے۔ اس لئے دیگر پاکستانی شہروں کی طرح وہاں پاکستانی حکومت کی رٹ کا معاملہ بھی قدرے مختلف ہے۔

مجلس التحقیق الاسلامی کے زیر اہتمام ملت اسلامیہ کا علمی اور اصلاحی مجلہ

magazine.mohaddis.com

پاکستانی مسلمانوں کی جان لے لینا، اُن کو نشانہ بنانے اور گرفتار کرنے کے لیے اُن کی جاسوسی کرنا، 'کولیشن سپورٹ فنڈ' کے نام پر اربوں ڈالر سالانہ وصول کر کے سیکڑوں مسلمانوں کو امریکہ کے حوالے کر دینا، کفار کو عسکری و غیر عسکری سہولیات مہیا کرنا، اپنے بحر و برّ امریکی افواج کے استعمال کے لئے دے کر 'فرنٹ لائن اسٹیٹ' کا کردار ادا کرنا وغیرہ وہ حکومتی رویے ہیں، جنہوں نے حکومت کو ایک پورا فریق بنا دیا۔

③ **معاہدات کی خلاف ورزی اور اس کا راستہ بند کرنا:** متاثرہ علاقے کے لوگوں کی مزاحمت اور یہاں سے مزاحمت کے خاتمے کے لئے حکومت پاکستان نے کئی ایک معاہدے کیے، لیکن نیک محمد اور سوات کے صوفی محمد سے لے کر آج تک کئی معاہدوں کو نظر انداز کیا گیا۔ یہ مختلف معاہدے پولیٹکل ایجنٹ، ڈپٹی کمشنر، سیکرٹری داخلہ اور گورنر خیبر پختونخواہ کے ذریعے کئے جاتے رہے، لیکن ہمیشہ حکومت کی مرکزی قیادت نے ان معاہدوں کی بنا پر اپنے سیاہی اہداف حاصل کئے ہیں اور اُن کی پاسداری نہیں کی۔ سوات میں نفاذِ امن کے معاہدہ میں صوفی محمد کو ایک سابقہ بیان اور لڑکی کو درّے مارنے کی جعلی وڈیو پیش کر کے، آج تک جیل میں رکھا ہوا ہے۔ جہاں تک آئین کے بارے میں ان کے بیان کا تعلق ہے تو جسقم، جئے سندھ محاذ، سندھی اور بلوچی قوم پرستوں، اور بعض قبائل کے علاوہ پاکستان کی بہت سی سیاسی شخصیات مثلاً ممتاز بھٹو، رسول بخش پلیجو اور ڈاکٹر قادر مگسی وغیرہ بھی اس آئین کو تسلیم کرنے سے انکاری ہیں، لیکن میڈیا کے ذریعے ہائپ پیدا کر کے، حکومت من مانے مقاصد حاصل کرتی اور صورتحال کو بگاڑتی رہی ہے۔ صورتحال یہاں تک گھمبیر ہے کہ پاکستان کی تمام سیاسی جماعتیں اور یہ متاثرہ لوگ بھی معاہدہ کرنے پر متفق ہو گئے تو یکم نومبر ۲۰۱۳ء کو عین معاہدہ و مذاکرات کے مرحلے پر امریکی ڈرون حملے سے طالبان لیڈر حکیم اللہ محسود کو بلا جواز ہلاک کر دیا گیا۔ امریکی حکومت خود افغان طالبان سے معاہدے کرنے کے لئے تو سر توڑ کوشش کر رہی ہے لیکن پاکستان میں معاہدہ کے ہر امکان کو ختم کرنے پر تلی ہوئی ہے۔

④ **ڈرون حملوں کی صورت میں درندگی:** امریکی افواج خطے میں اپنی اجارہ داری قائم کرنے کے لئے، نہ صرف افغانستان بلکہ پاکستانی سرحدوں، حتیٰ کہ چینی سرحدوں پر بھی بم باری

مجلس التحقیق الاسلامی کے زیر اہتمام ملت اسلامیہ کا علمی اور اصلاحی مجلہ

magazine.mohaddis.com

کر چکی ہیں۔ ۱۰ برس ہونے کو آئے ہیں کہ آئے روز یہ ڈرون حملے ان متاثرہ علاقوں میں پاکستان کی خود مختاری کو پامال کرتے ہیں اور اس کے نتیجے میں مطلوب شدت پسندوں کے ساتھ ساتھ بے گناہ عورتیں، معصوم بچے اور عام شہری ہلاک ہو جاتے ہیں۔ ان ڈرون حملوں میں شہید ہونے والوں کے نہ جان ومال کا کوئی محافظ وداعی ہے، نہ اُن کا رنج اور غم بانٹنے والا کوئی ہے۔ وہ بھی پاکستانی اور مسلمان ہیں اور ان کی حفاظت کی ذمہ داری بھی پاکستانی ریاست پر عائد ہوتی ہے۔ ڈرون حملوں کی شکل میں ان پر ہونے والا یہ ظلم، دنیا کے ہر قانون اور ملک کی نظر میں ایسا سنگین جرم ہے جس کی مذمّت اقوام متحدہ نے بھی کی ہے، پاکستان کی اسمبلیاں بھی اس کی مذمت میں کئی متفقہ قرار دادیں پاس کر چکی ہیں گویا وہ بھی اس کے جواز کی کسی طرح تائید نہیں کرتیں۔

⑤ **پاکستان میں اسلامی نظریات اور مراکز پر حکومتی جارحیت:** سابقہ پاکستانی آمر کی حکومت نے انہی پر اکتفانہ کیا بلکہ ملک میں اسلامی نظریات مثلاً حدود قوانین اور اسلامی مراکز مثلاً لال مسجد پر ظالمانہ آپریشن کیا۔ ایک طرف مذاکراتی ٹیم معاملات طے کرتی رہی اور دوسری طرف نہتّی طالبات کو نشانہ بنایا۔ ظلم وبربریت کے اس اقدام نے مملکتِ پاکستان کے اَمن وامان کی صورتحال پر نہایت دوررَس اثرات مرتب کیے۔ مشرف کے دور میں پاکستان کی نظریاتی اساس کو متزلزل کرنے اور آزاد میڈیا کے ذریعے اباحیت کو فروغ دینے کی بھی ہر تدبیر کی گئی اور ان سالوں میں پاکستان میں اسلام کو اجنبی اور اس پر، خلوص سے عمل پیرا ہونے کو برا سمجھا جانے لگا۔

اس کے بعد جو کچھ ہوا، اسے ہر باشعور وباخبر پاکستانی بخوبی جانتا ہے۔ ۱۰ سالوں میں پاکستان میں بدترین دہشت گردی کا جال پھیلا دیا گیا، سیکڑوں بم دھماکوں کے بعد شہریوں کی زندگی اجیرن ہو گئی اور امن وامان ایک خواب بن کر رہ گیا۔ سیکورٹی فورسز ہوں یا افواج، مساجد کے نمازی ہوں یا عوامی مقامات، کہیں بھی کسی کا جان ومال محفوظ نہ رہا۔ امریکہ کی فرنٹ لائن سٹیٹ، دہشت گردی اور قتل وغارت میں فرنٹ لائن پر آگئی، گویا پاکستان عذاب الٰہی کا نقشہ پیش کرنے لگا...!!

مجلس التحقیق الاسلامی کے زیر اہتمام ملت اسلامیہ کا علمی اور اصلاحی مجلہ

magazine.mohaddis.com

دہشت گردی کا سیاسی حل؛ مذاکرات ومعاہدات

اس المناک صورتحال کو آخر کار ختم ہونا ہے۔ نائن الیون سے قبل بھی یہی مسلمان پر سکون طور پر پاکستانی معاشرے میں بستے تھے، اگر ان کے مسائل کا سنجیدہ طور پر جائزہ لیا جائے اور ان وجوہات کو خلوص سے ختم کیا جائے تو پھر دوبارہ وہ اسی طرح امن وامان کا راستہ اختیار کر لیں گے۔ عالمی قوتوں کی ہمیشہ یہ کوشش اور پالیسی رہی ہے کہ اہل اسلام کو آپس میں لڑا کر، دونوں طرف سے اسلام کو بدنام کیا جائے۔ خود کسی بھی جدوجہد کی بجائے، ڈالر اور مفادات کا لالچ دے کر، فریقین کو زیادہ سے زیادہ لڑنے پر اُکسایا جائے اور اس صورتحال سے اپنے فوائد اور من مانا نقشہ حاصل کیا جائے۔ ماضی میں اگر انگریز استعمار کے دور میں دیوبندی، بریلوی اور اہل حدیث کی مسلکی تقسیم کو پیدا کر کے، اس تفریق کو بڑھایا گیا تو حال میں بھی مسلمانوں میں 'روشن خیال ومعتدل مسلمان' اور 'شدت وانتہا پسند یا بنیاد پرست' مسلمانوں کی تقسیم پیدا کر کے اس خلیج کو گہرا کیا جا رہا ہے۔ عالمی میڈیا ان اصطلاحات کو استعمال کرتا اور اسے علاقائی ذرائع ابلاغ کے ذریعے عوام الناس کی زبانوں پر چڑھا دیتا ہے۔ جہاں جہاں امریکہ گیا ہے، وہاں وہاں مسلمانوں کو آپس میں لڑا کر 'ڈیوائیڈ اینڈ رول' کے تحت شیعہ سنّی تقسیم اور عوام اور فوج کی تقسیم وغیرہ کو پروان چڑھا کر مسلمان کو مسلمان کے خلاف لڑایا گیا۔ مملکت پاکستان میں اس صورتحال سے کئی قوتوں نے فائدہ اُٹھایا۔ سنّی علما کو قتل کروانے میں مبیّنہ طور پر ایک پڑوسی اسلامی ملک کے ملوّث ہونے کی خبریں بھی سیکورٹی ایجنسیوں کے حوالے سے میڈیا کی زینت بنی ہیں۔ جب کہ اسلام کی رو سے مسلمانوں کا باہمی تعلق تعصب وتشدد اور فرقہ واریت کے بجائے اتحاد، جسد اور ملتِ واحدہ اور ایک دوسرے کے امن وامان کے تحفظ کا ہے، مسلمان کو تکلیف پہنچانا، اس پر لعن طعن کرنا اس کے قتل جیسا سنگین جرم ہے اور کسی مسلمان کو قتل کرنا اس فرمانِ نبویؐ «زوال الدّنیا کلها أهون علیٰ الله من قتل رجل مسلم»[1] "دنیا بھر کی بربادی، اللہ کے ہاں ایک مسلمان کے قتل سے زیادہ ہلکی ہے۔" کے مصداق ایک سنگین ترین قضیہ ہے۔

دنیا کا ہر مسئلہ آخر کار کسی حل کی طرف ضرور جاتا ہے اور یہ حل اکثر وبیشتر میز پر ہی ہوتا

1 جامع ترمذی: ۱۳۹۵

مجلس التحقیق الاسلامی کے زیر اہتمام ملت اسلامیہ کا علمی اور اصلاحی مجلہ

magazine.mohaddis.com

ہے۔ جنگ وجدل سے کسی فریق کو ایک منزل تک پہنچایا جاتا ہے لیکن معاملات کی انجام دہی باہمی اتفاق کے کسی مرحلے پر ہی موقوف ہوتی ہے۔ موجودہ حالات میں بھی معاہدات ومذاکرات کے بغیر کوئی چارہ نہیں جس کی وجوہات درج ذیل ہیں:

① پاکستان میں متاثرہ عناصر اپنا ایک موقف، ظلم کی ایک داستان اور اس کے مقابل اپنا نظریاتی استدلال رکھتے ہیں۔ ان پر ہونے والے ڈرون حملے ہر ایسے شخص کو جو دل میں معمولی سی انسانیت رکھتا ہے، ان کی مدد وتائید کے لئے آمادہ کرتے ہیں۔ یہ ڈرون حملے عالمی سطح پر ایسی ظلم وبربریت ہے جسے کوئی بھی حکومت ونظام تسلیم نہیں کر سکتی۔ اس بنا پر ان کے احساسات کو صرف دبا دینا ممکن نہیں، بلکہ یہ اختلاف Frustration کی صورت کوئی نہ کوئی نتائج ومظاہر پیدا کرتا رہے گا، جب تک ان ڈرونز کی کلّی روک تھام نہ ہو۔

② آغازِ کار تشدد اور جارحیتوں کا یہ سلسلہ سرحدی اور قبائلی علاقہ جات سے شروع ہوا، پھر اس نے پاکستان کے وسیع علاقے کو اپنی لپیٹ میں لے لیا۔ اب پاکستان کے بے شمار شہری اس ظلم کا شکار ہیں۔ پاکستان کے ان لاکھوں شہریوں کو مملکت کی شہریت سے خارج نہیں کیا جاسکتا، اب یہ پاکستانی ریاست کے اپنے گھر کا مسئلہ ہے۔ غیروں سے تو سختی سے نمٹا جاسکتا ہے لیکن اپنوں کے ساتھ آخر کار کسی ایک صورتحال پر اتفاق کرنا ہی ہوگا۔ پاکستان کے بہت سے سیاسی قائدین اور عوام کا ایک بڑا طبقہ امریکی عزائم اور پاکستانی حکومت کے 'پرو امریکن' طرزِ عمل کی بنا پر، اس پورے منظر نامے میں طالبان کا ہمدرد بھی ہے۔

③ یہ متاثرہ لوگ، ایک وسیع علاقہ بھی رکھتے ہیں۔ اگر ان کی ناراضی اور اختلاف تسلسل سے ایسے ہی جاری رہا، تو پھر یہ لوگ پاکستانی سرزمین سے علیحدگی کی طرف مائل ہوں گے۔ یہ لوگ پاکستانی آئین، حکومت، سیکورٹی فورسز اور عوام سے پہلے ہی شاکی ہیں۔ اُن پر ہونے والا مبیّنہ ظلم اس پر مستزاد ہے، وہ اس کے دفاع کے لئے اپنا عسکری نظام ترتیب دیتے رہے ہیں۔ ان کی ہمسائیگی میں طالبان جہاد بھی ان کے ساتھ ہر طرح کی مدد کرنے کو تیار ہے، جس طرح ماضی میں انہوں نے افغانیوں کی مدد کی تھی۔ افغانستان میں بھی امریکی افواج کے نکلنے کے بعد سیاسی نقشہ عنقریب تبدیل ہونے والا ہے اور عالمی طاقتیں تو ایسے موقع کی تلاش میں رہتی ہیں جہاں کسی مسلم ریاست کے مزید حصے بخرے کئے جائیں۔

2014

مجلس التحقیق الاسلامی کے زیر اہتمام ملت اسلامیہ کا علمی اور اصلاحی مجلہ

magazine.mohaddis.com

پاکستان میں اگر بلوچ قبائل اپنے حقوق نہ ملنے پر خود مختاری کی بات کر سکتے ہیں، شمالی عراق میں کرد علیحدہ ریاست قائم کر سکتے ہیں تو ایسا پاکستان کے متاثرہ علاقوں میں کیوں نہیں ہو گا؟ اس بنا پر بھی اس تشدد و مزاحمت کو طول دیے جانا کسی طرح پاکستان کے مفاد میں نہیں۔ یاد رہے کہ آج تک پاکستان کے مزاحمت کاروں یا طالبان نے علیحدہ ریاست کی بات نہیں کی اور نہ اس کے لئے کسی عالمی سازباز میں حصہ لیا ہے جبکہ بلوچ قبائل قوم پرستی کی آڑ میں اور بعض لوگ صوبہ سندھ میں لسانی اختلافات کے بہانوں سے علیحدہ ریاست کا مطالبہ کرتے رہتے ہیں اور اُنہیں شیطانی اتحادِ ثلاثہ کی تائید بھی حاصل ہے، ان کے باہمی رابطے بھی پریس میں آتے رہتے ہیں۔[1]

④ ماضی میں پاکستانی مقتدرہ مختلف انداز کی جارحانہ اور قوت پر مبنی حکمت عملیاں اپنا کر دیکھ چکی ہیں۔ سوات میں انسانی تاریخ کی سب سے بڑی ہجرت جو ۵۰ لاکھ آئی ڈی پیز پر مشتمل تھی، عمل میں آچکی ہے۔ طالبان پر ہونے والے حملوں کے نتیجے میں کئی مقامات پر طالبان اور اس سے کہیں زیادہ عالمی ایجنسیاں، اس صورتحال کو پاکستان میں دہشت گردی اور بم دھماکوں کے فروغ کے لئے استعمال کر چکی ہیں۔ اس خانہ جنگی اور جنگ وجدل سے پاکستان اور اسلامی امارت کی خواہش رکھنے والوں کو آخر کار کچھ حاصل نہ ہو گا۔ جب حکومت نے کئی سالوں سے ہر طرح کا سخت راستہ اختیار کر کے دیکھ لیا جس کا نتیجہ اس دہشت گردی کو شہروں تک پھیلانے کے سوا کچھ نہیں نکلا تو پھر اس کے سوا کوئی چارہ نہیں کہ خلوص دل سے امن وامان اور مفاہمت کا راستہ بھی اختیار کیا جائے۔

بعض لوگ کہتے ہیں کہ سوات میں حکومت نے آپریشن کیا اور اس میں کامیابی حاصل کر لی۔ یہ دعویٰ واقعی حالات کی مکمل تصویر نہیں ہے بلکہ سوات کے آپریشن نے مسئلہ کو حل کرنے کے بجائے پورے ملک میں پھیلا دیا ہے۔ اندھی طاقت نے وہاں کامیابی حاصل کرنے کی

1 ایسی ہی صورتحال عراق میں بھی ہے کہ عراق میں کردستان کا علاقہ عراق، شام اور ترکی کے مابین منقسم ہے اور کردوں میں دو رجحانات کے حامل گروہ ہیں۔ دین دار اور سیکولر کرد... سیکولر کرد، امریکہ کی تائید کے ساتھ وہاں آزاد علاقہ قائم کر چکے ہیں اور امریکہ تیل کی بڑی مقدار ان کردوں سے براہ راست خرید رہا ہے۔ جبکہ دین دار کرد اسلامی ریاستوں کے حصے بخرے کرنے کے لئے آمادہ نہیں۔

مجلس التحقیق الاسلامی کے زیر اہتمام ملت اسلامیہ کا علمی اور اصلاحی مجلہ

magazine.mohaddis.com

بجائے، اُن کو وہاں سے منتشر کر دیا ہے اور یہ لوگ اس سے محتاط و محفوظ علاقوں کی طرف منتقل ہو گئے ہیں۔ اُن کو سختی سے دبانے سے مسئلہ ختم ہونے کی بجائے جوابی تشدد و جارحیت کی طرف مُڑ گیا۔ تحریک طالبان کا موجودہ امیر مولانا فضل اللہ سوات کا ہی باسی ہے۔ پاک افغان سرحد پر قبائلی علاقوں میں پاکستان کی حکومتی رِٹ مکمل طور پر قائم نہیں بلکہ بہت سے ایسے مقامات بھی ہیں جہاں ابھی تک نہ کسی ریاست کی حکومت ہے اور نہ کسی کی کرنسی چلتی ہے۔ اس پہاڑی سلسلے میں ایسے بہت سے مقامات کسی بھی حکومت کی عمل داری سے کلیتاً باہر ہیں۔

۲۰۱۴ء کے آغاز میں پاکستان کی عملی صورتحال یہ ہے کہ ایک طرف حکومت درپردہ نئی حکمت عملی پر عمل پیرا ہو چکی ہے۔ تو دوسری طرف طالبان کا مطالبہ بھی شرعی و سیاسی بنیادوں پر اپنی اساس کھو چکا ہے۔ تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ پاکستانی فوج میں جنرل کیانی کی سبک دوشی کے بعد، متبادل رجحان سامنے آنے کی توقعات کی جا رہی ہیں۔ لاپتہ افراد کا مقدمہ ایک طرف سنگین حدوں کو چھو رہا ہے اور عدلیہ آئے روز اس پر اپنے انسانی بنیادی حقوق اور آئین کی پاسداری کے مطالبے کو پرزور کرتی جا رہی ہے۔ لیکن دوسری طرف حکومت اور اسٹیبلشمنٹ میں ایک ذو معنی مفاہمت نظر آ رہی ہے۔ اور وہ یہ کہ براہ راست آپریشن کی بجائے، ان افراد کے خلاف ٹارگٹڈ آپریشن شروع کر رکھا ہے جو کسی نہ کسی طرح مملکتِ پاکستان کے اسلامی تشخص کی بحالی کے لیے نظریاتی یا عملی سطح پر متحرک ہیں۔ یہ آپریشن متاثرہ علاقوں سمیت پاکستان بھر میں جاری ہے۔ آئے روز ایسے افراد کو غائب کر دیا جاتا ہے جو کسی بھی طرح امریکی ایجنڈے پر تنقید کو نظریاتی یا عملی بنیاد فراہم کرتے ہیں۔ حکومت ذو معنی خاموشی رکھتی اور عدلیہ چیختی رہ جاتی ہے۔ گویا اس طرح سیکورٹی فورسز، سیکولر شناخت کے خلاف مزاحمت اور اسلامی نظام کے نفاذ کے لیے جاری سرگرمیوں کو اپنی صلاحیت اور منصب کے مطابق آہستہ آہستہ کم کرتی جا رہی ہے۔ اس میں وہی عناصر غائب ہو رہے ہیں جن کے نظریہ و عمل کی زد فورسز کے کردار پر پڑتی ہے۔ ماضی میں امریکی حکمتِ عملی کا تقاضا تو یہ تھا کہ فوج اور پاکستانی عوام کو آمنے سامنے کیا جائے تاکہ ریاست کمزور ہو جبکہ اب پاکستانی حکومت اور فورسز کی طرف سے دو بدو جنگ کی بجائے اپنے ریاستی اختیارات اور انتظامی صلاحیتوں کا دانائی سے استعمال کا رجحان سامنے آ رہا ہے۔ اور ان دنوں اسی سمت فکری، عملی اور عسکری اقدامات سے پیش قدمی

،2014

مجلس التحقیق الاسلامی کے زیر اہتمام ملت اسلامیہ کا علمی اور اصلاحی مجلہ

magazine.mohaddis.com

کر کے آہستہ آہستہ طالبان کی طاقت کو سکیڑا جا رہا ہے۔

دوسری طرف یہ بھی حقیقت ہے کہ پاکستان میں مزاحمت کرنے والوں کا شرعی موقف بھی اپنی اساس کھوتا جا رہا ہے۔ مجاہدین کا موقف یہ ہے کہ وہ 'شریعت الٰہیہ کے نفاذ' اور کفار سے دوستی وتعاون کی بنا پر پاکستانی حکومت، اس کے سیاسی اداروں اور عوام کے خلاف ہیں۔ ۱۴ برس کے بعد پاکستان میں حکومت بھی تبدیل ہو چکی ہے۔ پرویز مشرف کے بعد آنے والی زرداری حکومت تو این آر او، سیاسی منظر نامے اور اپنے فکری رجحانات کے باعث مشرف پالیسیوں کا ہی ایک تسلسل تھی، جس کا اظہار رحمٰن ملک جیسے لوگوں کا برسر اقتدار رہنا تھا جو مشرف کا قریبی دوست اور طالبان کا بدترین مخالف تھا، اس دور میں اگر کوئی بلّی بھی مر جاتی تو رحمن ملک اس کا الزام بلا تامل طالبان کے ذمے جڑ دیا کرتا۔ لیکن اب الیکشن ۲۰۱۳ء کے بعد سیاسی صورتحال میں کافی تبدیلی آچکی ہے۔ امریکہ کی ایجنٹ ریاست کے کردار کو آہستہ آہستہ کم کیا جا رہا ہے یا کم از کم دعوے جاری ہیں۔ نیٹو سپلائی کا مسئلہ دو ماہ سے بند اور اُلجھنوں کا شکار ہے اور امریکہ کے ساتھ 'کولیشن سپورٹ فنڈ' یا 'فرنٹ لائن سٹیٹ' کا کردار بھی کم ہوتا جا رہا ہے۔ امریکہ کے بارے میں یہ حساسیت، فوج کے علاوہ حکومتی اداروں میں بھی پائی جاتی ہے۔ وزارتِ داخلہ اس بارے میں بہت سے اقدامات کرتی جا رہی ہے، تاہم امریکہ نوازی کا یہ سلسلہ ابھی تک میڈیا میں جاری وساری ہے جو 'شہید' کا ایک لفظ بول دینے پر آسمان سر پر اُٹھا لیتا ہے۔ مشرف دور میں اس میڈیا کو بہت خود سر کر دیا گیا ہے جو حکومت وفوج سے زیادہ ریاست کا محافظ بنا بیٹھا ہے جبکہ میڈیا سے منسلک بہت سے افراد کی سیکرٹ فنڈز سے رقوم کی وصولی کو سپریم کورٹ نے ماضی قریب میں برسرِ عام[1] بھی کر دیا ہے۔ جہاں تک اللہ کی شریعت کے نفاذ کی بات ہے تو اس سمت تو کوئی پیش قدمی نہیں ہوئی اور نہ بظاہر اس کے امکانات نظر آتے ہیں لیکن ماضی کے بالمقابل شریعت کے بارے میں تمسخر واستہزا کا رویہ موجودہ حکمرانوں کا نہیں۔ یہ صورتحال بھی کوئی خوش آئند تو نہیں تاہم اس بنا پر حکومت کی تکفیر کے نظریے میں کمزوری آتی ہے کیونکہ بعض طالبان گروہوں کے لئے ایسے حکمرانوں کو کافر قرار دینے اور ان کے خلاف جہاد کی فرضیت

1 دیکھیے سپریم کورٹ کی درخواست پر وزارت اطلاعات کی سیکرٹ فنڈ لسٹ مجریہ ۲۳/ اپریل ۲۰۱۳ء

مجلس التحقیق الاسلامی کے زیر اہتمام ملت اسلامیہ کا علمی اور اصلاحی مجلہ

جیسے دعوے کرنے مشکل ہو گئے ہیں۔ جہاں تک عوام الناس کی بات ہے جنہیں ماضی میں امریکہ نواز اور خاموش تماشائی قرار دے کر، ان کے خلاف طالبان قیادت غم وغصہ کا اظہار کرتی آئی ہے تو عوام کی نمائندہ ایک بڑی جماعت تحریکِ انصاف اور جماعت اسلامی تو براہ راست نیٹو سپلائی اور ڈرون حملوں کے خلاف میدانِ عمل میں نکلے ہوئے ہیں۔ جبکہ تمام سیاسی جماعتوں نے آل پارٹیز کانفرنس میں طالبان سے مذاکرات پر زور دیا ہے۔ اندریں حالات آہستہ روی سے یہ سنگین مسائل، منطقی حل کی طرف جارہے ہیں۔ بین الاقوامی سطح پر بھی نواز حکومت نے سعودی عرب، ترکی، امارات اور افغانستان کی حکومتوں میں باہمی اعتماد پرور اقدامات کر کے، متوازی بلاک کی طرف پیش قدمی شروع کر دی ہے جو بڑی اہم اور مغربی ممالک کی ریشہ دوانیوں کا اصل حل ہے۔ انہی حالات میں بعض قوتیں، ملک میں فرقہ وارانہ فسادات کے ذریعے، کسی طرح اصلاح احوال پر گامزن پاکستان کی منزل کو دور کرنے پر تلی بیٹھی ہیں، جنہیں بصیرت سے حل کرنا ہو گا۔ اب حال ہی میں ان فسادات میں طالبان کے نام پر بم دھماکوں کا بھی اضافہ کر دیا گیا ہے۔

اندریں حالات پاکستان میں جو شخص یا ادارہ قوم کو تکفیر وخروج کی بحثوں میں ڈالنا چاہتا ہے، یا طالبان کی طرف سے دہشت گردانہ کاروائیوں کے جواز کی بحث میں اُلجھتا ہے تو وہ دراصل وہ مفاہمت کے عمل کو متاثر کر کے، دیرینہ دوطرفہ شرعی اور سیاسی مخاصمت کی بنیادوں کو پختہ کرنے جارہا ہے۔ یہ وقت کسی ایک فریق کے موقف کی تائید اور اس کے جواز فراہم کرنے کا نہیں بلکہ اس وقت صرف ایک ہی کام ہے اور وہ ہے مذاکرات ومفاہمت اور دونوں اقدامی ودفاعی طرز ہائے فکر سے قوم کو باہر نکالنا۔ جس طرح امریکہ اس خطے سے باہر نکلنے جارہا ہے، اس سے پہلے پاکستان کو بھی اس دہشت گردی کے خلاف امریکی جنگ کے المیہ سے نکلنا ہو گا جو اس کا اپنا مسئلہ نہیں تھا لیکن اس کا سنگین ترین مسئلہ بنا دیا گیا۔ امریکہ اس وقت چاہتا ہے کہ معاہدات کا راستہ کسی صورت کھلنے نہ پائے اور اس خطے میں مسلمان اسی طرح لڑتے رہیں جیسی لڑائی وہ مشرقِ وسطیٰ کے عراق وشام میں شروع کرا چکا ہے۔ اور اہل اسلام واہل پاکستان کی حکمتِ عملی یہ ہونی چاہئے کہ کسی بھی قیمت پر قوم کو آپس میں متحد کر لیا جائے۔

طالبان حلقوں کو دیکھا جائے تو وہ شریعت پر عمل پیرا، دین کے خادم اور سنّتِ نبوی سے

مزین نظر آتے ہیں۔ اُنہیں ماضی میں اسی لئے نشانہ بنایا گیا کہ وہ اسلامی تقاضوں کی پاسداری کرتے ہوئے، افغانی مسلمانوں کی مدد کے شرعی فریضہ کو پورا کرنا چاہتے تھے۔ ان کی نظریاتی واعتقادی پختگی ملتِ اسلامیہ کا اثاثہ ہے۔ عالمی ظالم ریاست امریکہ، جس سے اُس کے شہری سب سے زیادہ خائف ہیں کہ اس سے عالمی امن کو سب سے زیادہ خطرہ ہے، کہ ڈرون حملوں اوراس کی جنگ میں پڑ کر ہم نے پاکستان کے بازوے شمشیر زَن کو بھی ایسے اقدامات کرنے پر مجبور کردیا جس کی شریعت میں کوئی گنجائش نہیں تھی۔ جن اقدامات کو طالبان کے نام سے میڈیا میں پھیلایا جاتا ہے، شریعت اسلامیہ میں اس کا کوئی جواز نہیں۔ تاہم اسلام، قرآن اور نبی اکرم ﷺ کا رشتہ سب سے گہرا رشتہ ہے۔ اسی رشتے سے عرب کے منتشر ومتحارب قبائل متحد ہو کر، خلافتِ راشدہ میں عالمی عسکری طاقت اور مثالی اسلامی ریاست بنے تھے۔ مسلمانوں کو اسی رشتے کا پاسبان اور محافظ ہونا چاہئے جو نبی آخر الزمان ﷺ کے اُمتی اور محب ہونے کے ناطے تمام ملتِ اسلامیہ میں روح کی طرف جاوداں اور متحرک جذبہ ہے۔ ان مسائل کا حل صرف اور صرف پاکستان کے قومی اور پھر ملتِ اسلامیہ کے عالمی اتحاد میں ہے۔ انتہاپسندی اور شدت پسندی کے بجائے اسلام توازن واعتدال کا دین ہے اور آپ ﷺ نے میانہ روی کو 'خیر الاُمور' قرار دیا ہے۔

مسلمانوں کے مابین جاری اختلافات کو صلح وصفائی سے حل کرنے کا قرآن کریم ہمیں حکم دیتا ہے کہ اگر مؤمنوں کی دونوں جماعتیں لڑائی کا شکار ہو جائیں تو ان میں صلح[1] کرواؤ۔ ملت اسلامیہ بالخصوص پاکستان میں جنگ وجدل اور افتراق وانتشار کفار کی مسلّمہ سازش اور محکم تدبیر ہے جس کی سب سے بڑی دلیل یہ ہے کہ امریکہ نے معاہدات کے موقع پر ہمیشہ صلح جو شخصیات کو ہلاک کرنے میں دیر نہیں کی۔ خود وہ افغانستان میں صلح ومعاہدہ کی پالیسی پر کاربند ہے اور پاکستان میں جنگ وافتراق اس کا ہدف ومقصد ہے۔ ڈرون حملے کے ذریعے حکیم اللہ

1 ﴿وَاِنْ طَآىِٕفَتٰنِ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اقْتَتَلُوْا فَاَصْلِحُوْا بَيْنَهُمَا﴾ (الحجرات:۹)
''اگر مسلمانوں کے دو گروہ آپس میں لڑائی کا شکار ہو جائیں تو دونوں میں صلح کرادیا کرو۔''

magazine.mohaddis.com

محسود کی ہلاکت نے اس امریکی ہدف کو بالکل اظہر من الشمس کر دیا ہے۔

اس کے بعد سے پاکستان میں قتل وغارت کا سلسلہ بہت بڑھ گیا ہے۔ ڈرون حملوں کے نتیجے میں شہید ہونے والے تو دنیا بھر کے نزدیک مسلّمہ مظلوم ہیں اور ان کا قاتل بھی واضح ہے جو امریکہ ہے۔ مقتول بھی مسلمان ہیں اور ان میں شہید ہونے والوں کی اکثریت ان بچوں، عورتوں اور ایسے مردوں کی ہے جو اس جنگ کا کسی طرح حصہ نہیں۔ دوسری طرف پاکستان بھر میں ہونے والے بم دھماکوں کے شکار بھی معصوم ومظلوم پاکستانی مسلمان ہیں لیکن اُن کے قاتل بے نام ہیں۔ میڈیا اور اس پر پیش کئے جانے والے بے نام پیغامات کی رو سے یہ لوگ طالبان ہیں جبکہ بہت سے حقائق اور رپورٹوں کے مطابق پاکستان میں غیر ملکی دہشت گرد عناصر بڑی تعداد میں دندناتے پھر رہے ہیں۔ بعض بڑے واقعات مثلاً پشاور میں سینٹ جوزف گرجا اور تبلیغی مرکز میں بم دھماکوں کا طالبان پر الزام نہیں دیا جاسکتا۔ جنرل نیازی والے بم دھماکے اور اپنے صوبائی وزیر کی ہلاکت کے معاملہ میں عمران خاں نے طالبان کو بطورِ مجرم نامزد نہیں کیا۔ قاضی حسین احمد اور مولانا فضل الرحمٰن پر ہونے والے بم دھماکے بھی طالبان کے کھاتے میں نہیں ڈالے جاسکتے۔ گویا پاکستان میں ہونے والے بم دھماکوں کا نشانہ بننے والے تو معصوم ومظلوم اور پرامن مسلمان ہیں لیکن ان کا قاتل بے نام اور اَن گنت ہیں جن کی تفتیش نہ تو کبھی مکمل ہوئی اور نہ اُنہیں سزا کا مرحلہ پیش آسکا ہے۔ حکومتیں بھی اس لئے طالبان کے ذمے لگانے پر خاموش رہتی ہیں کہ ان پر امن وامان قائم کرنے کی ذمہ داری ختم ہوتی ہے، جبکہ اسطرح وہ ایک دائمی جنگ اور ورلڈ گریٹ گیم کا شکار ہو جاتی ہیں۔

امریکہ کے حکیم اللہ محسود کو مارنے کے شدید ترین اقدام کے بعد، یہ امر بہت قرین قیاس ہے کہ پاکستان میں جنگ وجدل کو جواز دینے کے لئے ان میں سے اکثر دہشت گردوں کا تعلق بھی امریکہ یا شیطانی اتحادِ ثلاثہ سے ہی ہو، کیونکہ ان کا منطقی نتیجہ مذاکرات کا خاتمہ اور جارحیت کا آغاز ہے جو امریکہ کا ایجنڈا ہے۔ اور ماضی میں بھی پاکستان میں ہمیشہ اس طرح تشدد وجارحیت پروان چڑھتی رہی۔ ڈرون حملے اور امریکی جارحیت اس ظلم نامے کا آغاز بنتے رہے، پھر کبھی

،2014

مجلس التحقیق الاسلامی کے زیر اہتمام ملت اسلامیہ کا علمی اور اصلاحی مجلہ

magazine.mohaddis.com

جواب دینے والے امریکی ایجنڈے اور لابنگ کا شکار ہوئے اور اکثر وبیشتر غیر ملکی دہشت گردوں کی بہیمانہ کاروائیوں کو میڈیا کے ذریعے طالبان کے کھاتے میں ڈال کر مسلمانوں میں باہمی قتل ومنافرت کو فروغ دیا گیا اور اسلام کو بدنام کیا گیا۔

پاکستان میں بعض لوگ طالبان کے موقف کو پرزور طریقے سے پیش کررہے ہیں اور بعض لوگ حکومت کے استدلال کو... ان دونوں کو پیش کرنا اور ان کی صحت پر اصرار کرنا لڑائی اور افتراق کو پانی دینے اور اُس کو جواز بخشنے کی تدبیر ہیں۔ اُمت مسلمہ میں جنگ وجدل کو پروان چڑھانے والا ہر راستہ غلط اور ناروا ہے۔ واضح رہے کہ حکومت کے خلاف کاروائیاں کرنا، ان کو کافر قرار دینا، سرکاری عہدیداران اور عوام کے جان ومال کو اُن کا معاون سمجھتے ہوئے مباح سمجھنے کا موقف طالبان کی اکثریت کا نہیں بلکہ اُن میں چند ایک انتہاپسند گروہوں کا ہے۔ نامور افغان مجاہد شیخ عبد اللہ عزام شہید، طالبان کے مرکزی قائد اور سابقہ امیر امارت اسلامیہ افغانستان ملا عمر، سوات میں تحریک نفاذ شریعت محمدی کے قائد صوفی محمد جیسے سرکردہ طالبان نے کبھی اس موقف کو اختیار نہیں کیا اور نہ کبھی اُنہوں نے تکفیر کا سہارا لیا۔ طالبان کی مرکزی درسگاہ جامعہ حقانیہ، اکوڑہ خٹک کو سمجھا جاتا ہے، اور سب جانتے ہیں کہ اس درسگاہ نے کبھی تکفیری موقف نہ تو اختیار کیا ہے اور نہ ہی اپنے لٹریچر میں اس کو پیش کیا ہے بلکہ اس کے سربراہ مولانا عبد الحقؒ اور ان کے بیٹے مولانا سمیع الحق پاکستان میں دستوری جدوجہد اور شریعت بل وغیرہ کے حوالے سے معروف ہیں۔ جہاں تک خروج کی بات ہے تو خروج کا عملاً کہیں سے دعویٰ بھی موجود نہیں ہے اور نہ عملاً خروج کہیں ہوا ہے، کیوں کہ خروج تو اسلامی ریاست یعنی خلافت کے مقابلے میں ہوتا ہے اور پاکستان میں تو جمہوریت ہے اور یہاں خروج کی بجائے بغاوت اور اس سے نمٹنے کا پورا نظام مثلاً آرٹیکل نمبر ۶ وغیرہ میں موجود ہے۔

طالبان میں تکفیر وتفجیر (حکام وعوام کو کافر قرار دیکر، اُن کے قتل کو جائز سمجھنا اور بم دھماکے کرنا) کے داعی گروہ بہت مختصر ہیں اور اکثریت کا یہ موقف نہیں، لیکن امریکی لابی عرصہ دراز سے اُنہیں تکفیر کے بلاامتیاز مجرم قرار دے کر تکفیر وخروج کی مذمت میں کانفرنسیں کراتی آرہی ہے۔ ظاہر ہے کہ سیکولر این جی اوز کو ایسے شرعی استدلال کو پھیلانے اور پروان چڑھانے کی اس کے سوا

مجلس التحقیق الاسلامی کے زیر اہتمام ملت اسلامیہ کا علمی اور اصلاحی مجلہ

magazine.mohaddis.com

کوئی ضرورت نہیں کہ طالبان کے تکفیری فکر کو نمایاں کیا جائے اور بعض حلقوں کو اس سے متہم کرکے ان کے خلاف جارحیت کو جواز دیا جائے۔ اس تناظر میں، اختلاف کی سمت جانے والا ہر قدم چاہے وہ قول وزبان سے ہو یعنی تکفیر وخروج اور طالبان کے استدلال کی حمایت کرکے یا عمل سے یعنی بم دھماکے اور جارحیت، دونوں شرعی احکام اور اسلامی مصلحت کے سراسر منافی ہیں۔ ملک وملت کا مفاد صرف اور صرف صلح وصفائی میں ہے اور اس بے نام جنگ سے نکلنے میں ہے۔ اسی پر پاکستانی قوم کا 'سیاسی اجماع' بھی ہوچکا ہے، جس کے خلاف حالات پیدا کرکے، دوبارہ جنگ کا آغاز کیا جارہا ہے، خدارا قتل وغارت کے اس ظالمانہ سلسلے کو بند کیا جائے اور پاکستان کو اَمن کے راستے پر ڈالا جائے۔ نواز حکومت مذاکرات کی پرزور داعی رہی ہے، یہی اس کا مینڈیٹ ہے، لیکن افسوس صد افسوس کہ انہیں بھی عالمی سیاست کا شکار کرکے، پاکستانی قوم کو نہ ختم ہونے والی جنگ میں دھکیلا جارہا ہے۔ نواز حکومت اپنے اصولی موقف سے ہٹ رہی ہے۔ یہ اسلام اور پاکستان، دونوں کے تقاضوں اور آل پارٹیز کانفرنس کے مینڈیٹ کے منافی ہے۔ حکومت اور طالبان دونوں کو آخرکار اعتدال ومفاہمت کا مظاہرہ کرنا، تشدد کا خاتمہ کرنا اور صلح ومذاکرات کا راستہ اختیار کرنا ہوگا۔ نہ تو حکیم اللہ محسود کو حکومت نے قتل کروایا ہے اور نہ ہی بم دھماکوں کے مجرم مصدقہ طور پر طالبان قرار پاچکے ہیں۔ البتہ دونوں طرف بہت سی غلطیاں موجود ہیں جن میں باہمی مفاہمت واعتماد ہی تدریجاً کمی لاسکتی ہے۔ یہ راستہ مشکل ضرور ہے، لیکن اس کا انجام امن واستحکام ہوگا۔ جب پاکستان کی موجودہ حکومت امریکہ کی شروع کردہ جنگ کی حامی نہیں ہے، اللہ کی شریعت اور اس کے شعائر کے بارے میں اس کا رویہ بھی استہزا پر مبنی نہیں ہے، وہ امریکہ کی ایجنٹ اور فرنٹ لائن سٹیٹ بننے کی بجائے متبادل طرزِ سیاست کی حامی ہے، اور یہی اس کی قوت اور محل اعتماد ہے، تو اس اہم ترین حیثیت سے دستبردار ہوکر، مشرف کی آمرانہ حکومت جیسے اقدامات سے بھی گریز کرنا ہوگا اور دوسری طرف اس 'ورلڈ گریٹ گیم' کو پہچانتے ہوئے طالبان نمائندوں کو بھی معاہدات کی طرف ہی پیش قدمی کرنا ہوگی۔ جس قدر جلد اُنہیں اس کا شعور ہوجائے، اتنا ہی بہتر ہے۔ وما علينا إلا البلاغ

magazine.mohaddis.com

مؤلف محمد اقبال کیلانی

فضائلِ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم

(حصہ اوّل)

تفہیم السنۃ 29 واں حصہ

قیمت 350 روپے

مارکیٹ میں دستیاب ہے

حدیث پبلیکیشنز

2- شیش محل روڈ، لاہور، پاکستان

042-37232808
0300-4903927

magazine.mohaddis.com

مولانا حافظ صلاح الدین یوسف حفظہ اللہ

حلالۂ ملعونہ مروّجہ کا قرآنِ کریم سے جواز؟

مجوزین کے دلائل کا ایک تحقیقی وتنقیدی جائزہ

تفویضِ طلاق کے مسئلے میں جس طرح فقہاے احناف کا مسلک قرآن وسنت کے مطابق نہیں ہے جس کی ضروری تفصیل محدث کے شمارہ نمبر ۳۶۱ اور ۳۶۲ میں بیان ہو چکی ہے، اسی طرح اُنہوں نے مروّجہ حلالے کو بھی نہ صرف جائز بلکہ اسے باعثِ اجر وثواب قرار دے کر شریعت کے ایک اور نہایت اہم حکم سے انحراف کیا ہے، یا بہ الفاظِ دیگر تفویض طلاق کی طرح شریعت کا خود ساختہ نظام تشکیل دیا ہے۔

شریعتِ اسلامیہ میں جس عورت کو طلاقِ بتّہ (الگ الگ تین مواقع پر تین طلاقیں یا احناف کے نزدیک بیک وقت ہی تین طلاقیں) مل گئی ہو، اس کے لیے حکم ہے کہ اس کے بعد وہ پہلے خاوند سے دوبارہ اس وقت تک نکاح نہیں کر سکتی جب تک وہ کسی دوسرے شخص سے باقاعدہ نکاح نہ کرلے اور اس کے پاس ہی نہ رہے، پھر اگر اتفاق سے ان کے درمیان نباہ نہ ہو سکے اور وہ بھی طلاق دے دے یا فوت ہو جائے تو عدت گزارنے کے بعد وہ پہلے خاوند سے نکاح کر سکتی ہے۔

لیکن طلاقِ بتہ مل جانے کے بعد پہلے خاوند سے دوبارہ نکاح کرنے کے لیے یہ حیلہ اختیار کرنا کہ کسی مرد سے مشروط نکاح کر کے ایک دو راتیں اُس کے پاس گزار کر طلاق حاصل کر لینا اور پھر پہلے خاوند سے نکاح کر لینا، اس حیلے کی اسلام میں بالکل اجازت نہیں ہے۔

① اسے رسول اللہ ﷺ نے غیر شرعی فعل قرار دیا ہے اور حلالہ کرنے والے اور جس کے لئے حلالہ کیا جائے، دونوں پر لعنت فرمائی ہے: «لعنَ اللهُ المحلِّ والمحلَّلَ له»[1]

1 سنن ترمذی: ۱۱۱۹

مجلس التحقیق الاسلامی کے زیر اہتمام ملت اسلامیہ کا علمی اور اصلاحی مجلہ

magazine.mohaddis.com

② بلکہ ایک دوسری حدیث میں حلالہ کرنے والے شخص کے لیے «التیسُ المستعارُ» (کرائے کا سانڈ) جیسے کریہہ الفاظ استعمال فرمائے ہیں۔[1]

اور قرآن یا حدیث میں اس قسم کے الفاظ کہ یہ کام باعثِ لعنت ہے، یا رِجس (ناپاک) ہے، شیطانی عمل ہے وغیرہ، جیسے الفاظ سے مقصود ان کاموں کی حرمت و ممانعت ہوتی ہے، جیسے شراب کو 'رِجس' اور 'شیطانی عمل' کہا گیا ہے، فضول خرچی کرنے والوں کو 'شیاطین کا بھائی' کہا، جھوٹوں پر اللہ کی لعنت ہے، ظالموں پر اللہ کی لعنت ہے وغیرہ وغیرہ۔ ان کا مطلب یہی ہے کہ یہ افعال ممنوع اور حرام ہیں اور ان کے مرتکبین ملعون ہیں، اپنے لیے کیے جائیں یا کسی دوسرے کی خاطر۔ یہ نہیں ہو سکتا کہ جو حرام کام اپنے لیے ممنوع ہو، وہ کسی دوسرے شخص کی خاطر کرنے کی وجہ سے جائز ہو جائے۔ علاوہ ازیں حرام کام حسنِ نیت سے حلال نہیں ہو جائے گا، وہ حرام ہی رہے گا، الا یہ کہ کسی نصّ شرعی سے کوئی استثنا ثابت ہو۔

مروّجہ حلالے کو بھی شریعت میں لعنت کا باعث قرار دیا گیا ہے اور اس کی بابت کسی قسم کا استثنا بھی ثابت نہیں ہے۔ رسول اللہ ﷺ کے اس فرمان کا اقتضا یہ ہے کہ ایسا مشروط نکاح یعنی حلالہ یا حلالے کی نیت سے کیا گیا نکاح منعقد ہی نہیں ہو گا، بلکہ یہ زِنا کاری شمار ہو گا اور اس زنا کاری سے وہ عورت پہلے خاوند کے لئے حلال نہیں ہو گی۔

آثارِ صحابہ

③ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے بجا طور پر ان فرامین رسول کا یہی مطلب سمجھا۔ چنانچہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: «لا أُوتی بِمُحَلِّلٍ وَلا بِمُحَلَّلَةٍ إلا رَجَمْتُهُمَا»[2]

"میرے پاس جو بھی حلالہ کرنے والا مرد اور وہ عورت جس کے ساتھ حلالہ کیا گیا، لائے جائیں گے تو میں دونوں کو سنگسار کر دوں گا۔" یعنی زناکاری کی سزا دوں گا۔

④ حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے ایسے شخص کے بارے میں پوچھا گیا جو مطلقہ عورت سے اس کے

۱ سنن ابن ماجہ: ۱۹۳۶
۲ مصنف عبدالرزاق، باب التحلیل: ۶/ ۲۶۵

مجلس التحقیق الاسلامی کے زیر اہتمام ملت اسلامیہ کا علمی اور اصلاحی مجلہ

خاوند کے لیے اسے حلال کرنے کی نیت سے شادی کرتا ہے؟ تو ابن عمرؓ نے فرمایا:

«كِلَاهُمَا زَانٍ وَإِنْ مَكَثَا عِشْرِينَ سَنَةً أَوْ نَحْوَهَا، إِذَا كَانَ يَعْلَمُ أَنَّهُ يُرِيدُ أَنْ يُحِلَّهَا»[1]

"دونوں (مرد و عورت) زانی ہیں، چاہے وہ اس نکاح میں ۲۰ سال یا اس کے قریب بھی رہیں، جب کہ اس کے علم میں ہو کہ اس شخص کی نیت اس عورت کو اس کے خاوند کے لئے حلال کرنے کی ہے۔"

⑤ حضرت عبد اللہ بن عباسؓ سے ایک شخص نے پوچھا: میرے چچا نے اپنی بیوی کو تین طلاقیں دے دی ہیں؟ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا:

"تیرے چچا نے اللہ کی نافرمانی کی ہے، پس اللہ نے اس کو پشیمانی میں ڈال دیا ہے اور اس نے شیطان کی پیروی کی ہے، اب اُس کے لیے اس سے نکلنے کا کوئی راستہ نہیں ہے۔"

اس نے مزید پوچھا: اس شخص کے بارے میں آپ کی کیا رائے ہے جو میری چچی سے اس کو میرے چچا کے لئے حلال کرنے کی نیت سے نکاح کرلے؟ آپ نے فرمایا:

«مَنْ يُخَادِعِ اللهَ يَخْدَعْهُ»[2]

جو اللہ سے دھوکا کرتا ہے، اللہ بھی اس کے ساتھ ایسا ہی معاملہ فرماتا ہے۔"

⑥ حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ سود کھانے والے، سود کھلانے والے، سود کا گواہ بننے والے، اس کے لکھنے والے اور دیگر بعض ممنوع کام کرنے والوں اور حلالہ کرنے والے اور کروانے والے، ان سب کی بابت فرماتے ہیں:

«مَلْعُونُونَ عَلَى لِسَانِ مُحَمَّدٍ ﷺ يَوْمَ الْقِيَامَةِ»[3]

"یہ سب قیامت کے روز نبی ﷺ کی زبانِ مبارک کی رُو سے ملعون ہوں گے۔"

---

1 مصنف عبد الرزاق، باب التحلیل: ۶/ ۲۶۵

2 ایضاً: ۶/ ۲۶۶

3 ایضاً: ۶/ ۲۶۹

magazine.mohaddis.com

فرمان رسول ﷺ اور صحابہ رضی اللہ عنہم کے موقف کے برعکس فقہاءاحناف کا مسلک

رسول اللہ ﷺ کے واضح فرمان اور آثارِ صحابہ رضی اللہ عنہم کی رُو سے تو یہ غیر شرعی فعل ممنوع ہے لیکن فقہائے احناف اور موجودہ علمائے احناف کے نزدیک نہ صرف جائز ہے، بلکہ ان کے نزدیک (نعوذباللہ) یہ باعثِ اجر کام ہے۔ إنا لله وإنا إليه راجعون

ہمارے نزدیک یہ موقف بھی شریعتِ اسلامیہ کے مقابلے میں تفویض طلاق ہی کی طرح ایک نئی شریعت سازی ہے۔ اس کی تفصیل درج ذیل ہے:

اب تک تو ہم سنتے ہی آئے تھے کہ علماے احناف حلالے کے جواز کا فتویٰ دیتے ہیں، لیکن یہ دیکھ کر ہماری حیرت کی انتہا نہ رہی کہ موجودہ علماے احناف میں ایک نہایت برسر آوردہ عالم مولانا تقی عثمانی صاحب ہیں۔ جن کو ان کے عقیدت مند 'شیخ الاسلام' کے لقب سے یاد کرتے ہیں۔ جن کا اس دور میں اہم تعارف یہ بھی ہے کہ 'میزان بنک' کے نام سے جو بنک قائم ہوا ہے، اس کو غیر سودی بنک قرار دے کر اُنہوں سودی طریقوں کو سندِ جواز مہیا کی ہے، جبکہ جید و مستند علما کی اکثریت بنکوں کے اس سارے عمل کو ناجائز اور سودی ہی قرار دیتی ہے۔ مگر اُنہوں نے سود کو حلال کرنے کے لئے درجنوں فقہی حیلے اختیار کئے ہیں، گویا اس کام میں مولانا عثمانی صاحب کو خصوصی مہارت حاصل ہے۔

اس فقہی مہارت کے ذریعے سے اُنہوں نے حلالہ جیسے ممنوع فعل کے جواز میں بھی سات دلائل مہیا کیے ہیں جو ان کی 'درسِ ترمذی' نامی کتاب کی زینت ہیں۔ ہم مسئلے کی اہمیت کے پیش نظر ان دلائلِ سبعہ کا مختصراً جائزہ لیناضروری سمجھتے ہیں۔ ہم ترتیب وار ان پر گفتگو کریں گے، پہلے مولانا موصوف کی عبارت اور پھر تبصرہ کے عنوان سے اس پر نقد ہو گا۔ وَبِیداللہ التوفیق!

① مولانا عثمانی صاحب حدیث «لعن الله المحلل و المحلل له» کی شرح میں فرماتے ہیں:

"اس حدیث کی بنا پر نکاح بشرط التحلیل بالاتفاق ناجائز ہے، البتہ اگر عقد میں تحلیل کی شرط نہ لگائی گئی ہو، لیکن دل میں یہ نیت ہو کہ کچھ دن اپنے پاس رکھ کر چھوڑ دوں گا تو حنفیہ کے نزدیک یہ صورت جائز ہے، بلکہ امام ابوثورؒ کا قول ہے کہ ایسا کرنے والا ماجور

مجلس التحقیق الاسلامی کے زیر اہتمام ملت اسلامیہ کا علمی اور اصلاحی مجلہ

magazine.mohaddis.com

ہوگا۔"[1]

تبصرہ: حالانکہ مشہور حدیث ہے: «إنما الأعمال بالنيات»[2] (عملوں کا دارومدار نیتوں پر ہے)۔ علاوہ ازیں نیت کا تعلق بھی صرف حلال کاموں سے ہے۔ حرام کام کرتے وقت نیت کتنی بھی اچھی ہو، وہ حلال نہیں ہوگا، اس پر کوئی اجر نہیں ملے گا۔ اس کا صاف مطلب یہ ہے کہ ایک حرام کام کرتے وقت زبان سے اس کو حلال کرنے کا اظہار نہ ہو۔ لیکن اگر دل میں اس کو حلال سمجھتے ہوئے وہ کام کرے گا تو نہ وہ حلال ہوگا اور نہ اس پر اجر ملے گا بلکہ ہو سکتا ہے وہ ڈبل جرم کا مرتکب سمجھا جائے، ایک، حرام کو اختیار کرنے کا؛ دوسرا، حرام کو حلال سمجھنے کا بلکہ ایک تیسرا جرم، کسی دوسرے کے لئے حرام کو حلال کرنے کا۔ پھر یہ کون سا اُصول ہے کہ زبان سے تو تحلیل کا نہ کہے لیکن دل میں تحلیل کی نیت کر لے تو وہ جائز بلکہ قابل اجر ہو جائے گا؟ اس فقہی حیلے کی رُو سے تو ہر حرام کام حلال اور جائز قرار پا جائے گا۔ مثلاً ایک چور اس نیت سے چوری کرے، ایک ڈاکو اس نیت سے ڈاکہ ڈالے کہ میں اس رقم کو غریبوں پر خرچ کروں گا۔ اسی طرح کوئی شخص سود بھی غریبوں پر اور رشوت بھی غریبوں پر خرچ کرنے کی نیت سے لے تو کیا ایسی نیت کر لینے سے مذکورہ حرام کام نہ صرف جائز بلکہ باعثِ اجر ہو جائیں گے؟

اگر ایسا نہیں ہے اور یقیناً ایسا نہیں ہے کہ حُسن نیت سے کوئی حرام کام بھی جائز ہو سکتا ہے تو پھر حلالہ جیسا حرام اور لعنتی فعل محض اس نیت سے کہ میرے اس حرام کام سے دوسرے شخص کا اس عورت سے دوبارہ نکاح کرنا جائز ہو جائے گا اور ایک دوسرے بھائی کا بھلا ہو جائے گا۔ کیسے حلال اور جائز بلکہ ماجور کام قرار پا جائے گا؟

② مولانا تقی عثمانی صاحب فرماتے ہیں:

"امام احمد کے نزدیک یہ صورت بھی (بہ نیتِ تحلیل عارضی نکاح) ناجائز اور باطل ہے، وہ حدیثِ باب کے اطلاق سے استدلال کرتے ہیں کہ اس میں محلل پر مطلقاً لعنت کی گئی

---

[1] درس ترمذی از مولانا محمد تقی عثمانی: ۳/۳۹۸

[2] صحیح بخاری: حدیث نمبر ۱

مجلس التحقیق الاسلامی کے زیر اہتمام ملت اسلامیہ کا علمی اور اصلاحی مجلہ

magazine.mohaddis.com

ہے اور تخصیص کی کوئی دلیل نہیں ہے۔ ہم (احناف) یہ کہتے ہیں کہ تخصیص تو آپ نے بھی کی ہے، وہ اس طرح کہ حدیثِ باب کے اطلاق کا تقاضا تو یہ تھا کہ اگر نکاح نہ بشرط التحلیل ہو اور نہ بنیۃ التحلیل ہو، پھر بھی اگر زوجِ ثانی طلاق دے کر اس کو زوجِ اوّل کے لئے حلال کر دے تو بھی ناجائز ہو کیونکہ محلل کا لفظ اس پر بھی صادق آتا ہے حالانکہ ایسا شخص کسی کے نزدیک بھی ملعون نہیں۔"

تبصرہ: یہ ساری گفتگو محض اپنی بات کو جائز قرار دینے کے لیے ہے، نیز خلافِ حقیقت ہے۔ یہ دعویٰ کہ "ایسا شخص کسی کے نزدیک بھی ملعون نہیں" یکسر غلط ہے۔ جب ایسا شخص زبان رسالت مآب ﷺ کی رُو سے ملعون ہے تو اس کے ملعون ہونے میں کیا شک ہو سکتا ہے؟ علاوہ ازیں کوئی اور اسے ملعون کہے یا نہ کہے، جب رسول اللہ ﷺ اسے ملعون قرار دے رہے ہیں تو اس کے بعد بھی اس کے ملعون ہونے کے لئے کسی ہما شما کے سرٹیفکیٹ کی ضرورت باقی رہ جاتی ہے؟ کیا آپ ﷺ کا ملعون قرار دینا اس کے ملعون ہونے کے لئے کافی نہیں ہے؟

ثانیاً: جو نکاح بشرط التحلیل ہو اور نہ بہ نیتِ تحلیل، وہ تو بالاتفاق صحیح نکاح ہے، اس طرح نکاح کرنے والا خواہ مخواہ طلاق کیوں دے گا؟ ہاں اس کا نباہ نہ ہو سکے اور وہ طلاق دینے پر مجبور ہو جائے تو بات اور ہے اور اس صورت میں اس عورت کا نکاح دوبارہ زوجِ اوّل کے ساتھ بھی جائز ہو گا، لیکن اس صورت کو "زوجِ ثانی طلاق دے کر زوجِ اول کے لیے حلال کر دے۔" سے کس طرح تعبیر کیا جا سکتا ہے؟ جبکہ واقعات کی دنیا میں اس طرح ممکن ہی نہیں ہے۔ ایسا تو تب ہی ممکن ہے جب نکاح بہ شرطِ تحلیل ہو یا بہ نیتِ تحلیل۔ اگر یہ ان دونوں میں سے کوئی بھی صورت نہیں ہو گی تو عدم آہنگی کی صورت میں طلاق ہو سکتی ہے، ورنہ نہیں اور اس صورت کو 'طلاق دے کر زوجِ اوّل کے لیے حلال کر دے' سے تعبیر کرنا مغالطہ انگیزی کے سوا کچھ نہیں۔

رسول اللہ ﷺ نے جس طرح حلالہ کرنے والے اور جس کے لئے حلالہ کیا جائے، دونوں پر لعنت فرمائی ہے، یعنی یہ دونوں ملعون ہیں۔ اسی طرح رسول اللہ ﷺ نے اور بھی بہت سے کام کرنے والوں پر لعنت فرمائی ہے، یعنی وہ سب ملعون ہیں۔ جیسے:

مجلس التحقیق الاسلامی کے زیر اہتمام ملت اسلامیہ کا علمی اور اصلاحی مجلہ

magazine.mohaddis.com

۱. «لَعَنَ رَسُولُ اللهِ ﷺ آكِلَ الرِّبَا وَمُوكِلَهُ وَشَاهِدَهُ وَكَاتِبَهُ»[1]
"رسول اللہ ﷺ نے لعنت فرمائی، سود کھانے والے، کھلانے والے، اس کا گواہ بننے والے اور اس کے لکھنے والے پر"

۲. «لَعَنَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ الرَّاشِيَ والمرتشِيَ»[2]
"رسول اللہ ﷺ نے رشوت لینے والے اور دینے والے پر لعنت فرمائی۔"

۳. رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ لعنت فرمائے شراب پر، اس کے پینے والے پر، اس کے پلانے والے (ساقی) پر، اس کے بیچنے والے، خریدنے والے پر، اس کے نچوڑنے والے اور نچڑوانے والے پر، اس کو اُٹھا کر لے جانے والے اور جس کی طرف اُٹھا کر لے جائی جائے، اس پر۔[3]

۴. «لَعَنَ رَسُولُ اللهِ ﷺ الرَّجُلَ يَلْبَسُ لِبْسَةَ الْمَرْأَةِ وَالْمَرْأَةَ تَلْبَسُ لِبْسَةَ الرَّجُلِ»[4] "رسول اللہ ﷺ نے اس مرد پر لعنت فرمائی ہے جو عورتوں کا سا لباس پہنتا اور اس عورت پر جو مردوں کا سا لباس پہنتی ہے۔"

۵. ناجائز فیشن اختیار کرنے والی عورتوں پر لعنت فرمائی ہے: «لَعَنَ رَسُولُ اللهِ الْوَاشِمَةَ وَالْمُسْتَوْشِمَةَ... الحديث»[5]

کیا یہ اور دیگر بہت سے لعنتی کام اس وقت ہی لعنتی اور ان کے کرنے والے اس وقت ہی ملعون ہوں گے جب ان کو لوگوں کا بنایا ہوا کوئی امام ہی ملعون قرار دے گا؟ کیا نبی ﷺ کا ان کو ملعون قرار دینا کافی نہیں ہوگا؟ ... کیا نبی ﷺ کے مذکورہ کاموں اور ان کے مرتکبین کو ملعون قرار دینے کے بعد کسی فقہی حیلے سے ان کو جائز قرار دیا جاسکتا ہے؟

۱ سنن ابوداود: ۳۳۳۳
۲ ایضاً: ۳۵۸۰
۳ ایضاً: ۳۶۷۴
۴ ایضاً: ۴۰۹۸
۵ ایضاً: ۴۱۶۹

مجلس التحقیق الاسلامی کے زیر اہتمام ملت اسلامیہ کا علمی اور اصلاحی مجلہ

magazine.mohaddis.com

اگر ان میں سے کوئی ملعون کام حلال نہیں ہو سکتا تو حلالہ کیوں کر جائز ہو سکتا ہے؟

حلالۂ ملعونہ کو کون سے سُرخاب کے پَر لگے ہوئے ہیں کہ اس کو ملعون کے بجائے ماجور (قابل اجر) مان لیا جائے؟ آخر دوسرے ملعون کام اور حلالۂ ملعونہ میں کیا فرق ہے جس کی بنیاد پر ایک تو حلال ہو جائے اور دوسرے حرام کے حرام ہی رہیں؟

﴿هَاتُوا بُرْهَانَكُمْ إِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ﴾[1]

③ مولانا تقی عثمانی صاحب فرماتے ہیں:

"پھر نکاح بشرط التحلیل امام شافعیؒ اور امام احمدؒ کے نزدیک متحقق ہی نہیں ہوتا اور نہ اس سے عورت زوجِ اوّل کے لئے حلال ہوتی ہے جب کہ ہمارے (احناف) کے نزدیک ایسا کرنا اگرچہ حرام ہے لیکن اگر کوئی شخص اس کا ارتکاب کرلے گا تو نکاح منعقد ہو جائے گا اور عورت زوجِ اوّل کے لئے حلال ہو جائے گی۔"[2]

تبصرہ: یہ منطق بھی ناقابل فہم ہے کہ حلالہ اگرچہ حرام ہے، لیکن اس کے ارتکاب سے نکاح منعقد ہو جائے گا، اس کا مطلب یہ ہوا کہ حرام کام بوقتِ ضرورت کرنے جائز ہیں اور اس کے ارتکاب سے وہ سارے مقاصد بھی حاصل ہو جائیں گے جو حلال کام کے ذریعے سے حاصل ہوتے ہیں، پھر حلال و حرام کے درمیان کوئی فرق تو نہ رہا۔ ایک شخص کسی کا مال حرام طریقے (چوری، ڈاکے، غصب وغیرہ) سے حاصل کرلے، تو یہ فعل تو حرام ہے لیکن یہ حاصل شدہ مال اسی طرح جائز ہے جس طرح حلال طریقے سے حاصل کردہ مال ہوتا ہے اور اس غاصب، چور اور ڈاکو کے لئے اس مال کا استعمال بالکل حلال طریقے سے حاصل کردہ مال ہی کی طرح جائز ہو گا؟

اسی طرح اگر ایک کام حرام ہونے کے باوجود جائز ہو سکتا ہے تو پھر شیعوں کا نکاح متعہ بھی حلال ہونا چاہیے۔ اس کو حرام اور ناجائز کیوں کہا جاتا ہے؟ یا پھر ان دونوں حراموں کے درمیان فرق بتلایا جائے کہ نکاحِ حلالہ حرام ہونے کے باوجود اس لئے حلال ہے بلکہ باعثِ اجر ہے اور نکاحِ متعہ اس لئے حلال نہیں ہے۔ اس فرق کی وضاحت کے بغیر ایک حرام کو حلال اور

1 سورۃ البقرۃ:۱۱۱

2 درس ترمذی:۳/۳۹۹

مجلس التحقیق الاسلامی کے زیر اہتمام ملت اسلامیہ کا علمی اور اصلاحی مجلہ

دوسرے حرام کو حرام ہی کیوں کر سمجھا جاسکتا ہے؟

④ مولانا تقی عثمانی صاحب فرماتے ہیں:

"ان حضرات کا استدلال حدیث باب «لعن رسول الله ﷺ المحل والمحلل له» سے ہے، لیکن اس کا جواب یہ ہے کہ اس روایت میں نہی عن التحلیل ہے، نفیٔ نکاح نہیں ہے اور نهي عن الأفعال الشرعية اصل فعل کی مشروعیت کا تقاضا کرتی ہے، کما تقرر في أصول الفقه.[1]

تبصرہ: مولانا موصوف کے اس پیرے کا مطلب غالباً یہ ہے کہ نکاحِ حلالہ کو ملعون قرار دے کر نکاح حلالہ سے روکنا مقصود ہے لیکن اس نہي (روکنے) کا مطلب یہ نہیں ہے کہ نکاح حلالہ منعقد ہی نہیں ہوگا کیونکہ نہي (ممانعت) اصل فعل کی مشروعیت کا تقاضا کرتی ہے۔

ہمیں اُصول فقہ میں مہارتِ کاملہ کا دعویٰ تو نہیں ہے لیکن ہم سمجھتے ہیں کہ موصوف کی یہ بات علی الاطلاق درست نہیں، کیونکہ جمہور اُصولیین کے نزدیک افعالِ شرعیہ سے نہی، بالعموم منہی عنہ کے فساد پر دلالت کرتی ہے۔ بنابریں فساد، قرائن کی بنیاد پر بطلان کا باعث بھی ہوسکتا ہے اور ہمارے نزدیک مسئلۂ زیر بحث میں نہی بُطلان ہی کی متقاضی ہے۔ اس کی تائید اس بات سے ہورہی ہے کہ جس سیاق میں اس خود ساختہ اُصول کا حوالہ دیا گیا ہے، وہ نکاحِ حلالہ کا جواز مہیا کرنا ہے جب کہ خود موصوف کو بھی یہ تسلیم ہے کہ شریعت میں اس کی بابت نہی (ممانعت) بصورتِ لعنت وارد ہے، اس کے باوجود وہ ایک خانہ ساز فقہی اُصول کے حوالے سے اسے اصل کے اعتبار سے مشروع (جائز) قرار دے رہے ہیں۔ بنابریں ہم نے جو سمجھا ہے، وہ یقیناً صحیح ہے۔

اس اعتبار سے یہ فقہی اصول بھی ان خود ساختہ اُصولوں میں سے ایک ہے جو نہ امام ابو حنیفہؒ سے ثابت ہے اور نہ صاحبین (قاضی ابویوسفؒ اور امام محمدؒ) سے بلکہ جب تقلیدی جمود میں شدت آئی تو خود ساختہ فقہی مسائل سے متصادم صحیح احادیث کو ترک کرنے کے لئے یہ اُصول وضع کئے گئے ہیں۔ ان اُصولوں کے ذریعے سے ہر صحیح حدیث کو، جسے احادیث کے نقد و تحقیق کے

1 درس ترمذی: ۳/ ۳۹۹

magazine.mohaddis.com

مسلمہ اُصولوں کی روشنی میں ردّ نہیں کیا جاسکتا، اسے ان وضعی اُصولوں میں سے کسی ایک اُصول کا سہارا لے کر ٹھکرا دیا جاتا ہے، جیسے گوندھے ہوئے آٹے سے بال نکال کر پھینک دیا جاتا ہے۔

ان خانہ ساز اُصولوں کی درانتی سے کام لینے والوں کو اس سے کوئی غرض نہیں کہ اس سے ہمارے ایک فقہی جزیئے کا جواز تو مہیا ہو جائے گا لیکن اس کی زد شریعت کے کتنے ہی حرام کاموں پر پڑے گی اور اس ایک فقہی مسئلے کے اثبات سے کتنے ہی حرام کاموں کا جواز ثابت ہو جائے گا۔

دریا کو اپنی موج کی طغیانیوں سے کام　　کشتی کسی کی پار ہو یا درمیان رہے!

⑤ مولانا تقی عثمانی صاحب فرماتے ہیں:

"شافعیہ کے مسلک (کہ حلالہ حرام ہے) پر حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی ایک روایت سے بھی استدلال کیا گیا ہے:

«جَاءَ رَجُلٌ إِلَى ابْنِ عُمَرَ فَسَأَلَهُ عَنْ رَجُلٍ طَلَّقَ امْرَأَتَهُ ثَلاَثًا فَتَزَوَّجَهَا أَخٌ لَهُ عَنْ غَيْرِ مُؤَامَرَةٍ مِنْهُ لِيُحِلَّهَا لأَخِيهِ هَلْ تَحِلُّ لِلأَوَّلِ؟ قَالَ : لاَ إِلاَّ نِكَاحَ رَغْبَةٍ كُنَّا نَعُدُّ هَذَا سِفَاحًا عَلَى عَهْدِ رَسُولِ اللهِ ﷺ»[1]

اس روایت کو امام حاکم نے اپنی مستدرک میں ذکر کیا ہے اور صحیح علیٰ شرط الشیخین قرار دیا ہے اور حافظ ذہبی نے بھی اس پر سکوت کیا ہے۔ اس استدلال کا کوئی جواب احقر کی نظر سے نہیں گزرا، البتہ اس کا یہ جواب سمجھ میں آتا ہے کہ قرآن کریم کی آیت: ﴿حَتّٰى تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهٗ﴾ میں مطلق نکاح کا ذکر ہے خواہ شرط تحلیل کے ساتھ ہو یا بغیر شرطِ تحلیل کے، اس پر خبر واحد سے زیادتی نہیں کی جاسکتی۔"[2]

تبصرہ: مولانا موصوف کے اس مفصّل پیرے پر تبصرے سے پہلے اُس حدیث کا ترجمہ ملاحظہ فرمالیں جس کا ترجمہ اُنہوں نے نہیں کیا، نیز روایت کی صحت مان لینے اور اس کا کوئی جواب نہ ہونے کے اعتراف کے باوجود، ایک خود ساختہ اُصول کی آڑ لے کر اس صحیح حدیث کو

۱ سنن الکبریٰ از امام بیہقی: ۷/۲۰۸، مستدرک حاکم: ۲/۱۹۹، قال الالبانی: صحیح الاسناد، الارواء: ۶/۳۳۱

۲ درسِ ترمذی: ۳/۴۰۰

مجلس التحقیق الاسلامی کے زیر اہتمام ملت اسلامیہ کا علمی اور اصلاحی مجلہ

magazine.mohaddis.com

رد کر دیا۔ ترجمہ یوں ہے:

"ایک شخص حضرت عبداللہ بن عمرؓ کے پاس آیا اور اس شخص کے بارے میں پوچھا جس نے اپنی بیوی کو تین طلاقیں دے دیں تو اُس کے بھائی نے اپنے بھائی سے مشورہ کیے بغیر اس کی بیوی (اپنی بھابھی) سے اس نیت سے شادی کرلی تاکہ وہ اپنے بھائی کے لئے اپنی (مطلقہ ثلاثہ) بیوی سے (دوبارہ) نکاح کرنے کو جائز کر دے۔ (یعنی بنیۃ التحلیل عارضی نکاح کی بابت پوچھا، جس کو احناف جائز کہتے ہیں کہ یہ جائز ہے یا نہیں؟ اور کیا اس طرح وہ زوج اوّل کے لئے حلال ہو جائے گی؟) حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے فرمایا: یہ نکاح نہیں ہے، نکاح تو وہ ہے جو (بغیر شرط تحلیل اور بغیر نیتِ تحلیل کے) اپنی رغبت سے کیا جائے (گویا یہ زنا ہے) ہم رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں ایسے نکاح کو زنا سمجھتے تھے۔"

کتنی واضح حدیث ہے اور اس کے ساتھ مولانا موصوف کا یہ اعتراف بھی ہے کہ یہ حدیث بالکل صحیح بھی ہے اور اس کا کوئی جواب بھی آج تک کسی حنفی عالم نے نہیں دیا ہے۔ سبحان اللہ جادو وہ جو سر چڑھ کر بولے! ... اس صحیح اور لاجواب حدیث سے روزِ روشن کی طرح ثابت ہو رہا ہے کہ نکاح حلالہ، چاہے شرط کے ساتھ نہ بھی ہو لیکن نیت حلالے کی ہو تو وہ حرام اور زناکاری ہے اور زناکاری کے ذریعے سے ایسی عورت پہلے خاوند کے لئے کس طرح حلال ہو جائے گی؟ اس کا صاف مطلب یہ ہے کہ پہلے میاں بیوی حلالہ ملعونہ کے بعد دوبارہ آپس میں بظاہر ازدواجی تعلق قائم کریں گے تو یہ جائز ملاپ نہیں ہوگا بلکہ وہ زانیوں کا ملاپ ہوگا اور ساری عمر زناکاری کے مرتکب رہیں گے۔

قرآنی آیت سے استدلال کی حقیقت

اب ہم آتے ہیں قرآنِ کریم کی آیت ﴿حَتّٰى تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهٗ﴾ کی طرف جس کے عموم سے استدلال کرتے ہوئے اُنہوں نے اس صحیح حدیث کو، جس سے اس آیت کی تخصیص بھی ہوتی ہے اور صحیح مفہوم کی وضاحت بھی، اپنے ایک خود ساختہ اُصول کے حوالے سے ٹھکرا دیا ہے اور وہ حدیث ہے: «لعن الله المحل والمحلل له»

قرآنِ کریم کی آیت کا مطلب یہ ہے کہ تیسری طلاق کے بعد اب خاوند اپنی مطلقہ بیوی

magazine.mohaddis.com

سے نہ رجوع کر سکتا ہے اور نہ نکاح کے ذریعے ہی سے اُن کے درمیان تعلق بحال ہو سکتا ہے جب کہ پہلی اور دوسری طلاق میں دونوں راستے کھلے ہوتے ہیں، عدّت کے اندر رجوع ہو سکتا ہے اور عدّت گزر جانے کے بعد دوبارہ اُن کے درمیان نکاح جائز ہے۔ لیکن تیسری طلاق کے بعد یہ دونوں ہی راستے بند ہو جاتے ہیں۔ اب ان کے درمیان دوبارہ نکاح کی صرف ایک ہی صورت باقی رہ جاتی ہے کہ یہ مطلقہ کسی اور شخص سے نکاح کرے، پھر اتفاق سے ان کے درمیان نباہ نہ ہو سکے اور وہ طلاق دے دے یا وہ فوت ہو جائے تو طلاق یا وفات کی عدت گزارنے کے بعد وہ زوجِ اوّل سے نکاح کر سکتی ہے۔

اس آیت کی تفسیر میں تمام مفسرین زوج اوّل کے لئے حلال ہونے کا یہی واحد مشروع طریقہ بیان کرتے ہیں، کسی بھی مفسر نے یہ جرأت نہیں کی کہ اس آیت کے عموم سے حلالۂ ملعونہ کا بھی جواز ثابت کرے جس سے نکاحِ متعہ بھی از خود جائز قرار پا جائے۔ ماضی قریب کے چند حنفی مفسرین کے حوالے ملاحظہ فرمائیں، جن سب کا خصوصی تعلق دارالعلوم دیوبند ہی سے ہے جو پاک وہند کے علماے احناف کی مسلّمہ مادرِ علمی ہے۔

① مولانا اشرف علی تھانوی مرحوم لکھتے ہیں:

"پھر اگر (دو طلاقوں کے بعد) کوئی (تیسری) طلاق بھی دے دے عورت کو تو پھر وہ (عورت) اس (تیسری طلاق دینے والے) کے لئے حلال نہ رہے گی اس کے بعد یہاں تک کہ وہ اس (خاوند) کے سوا اور خاوند کے ساتھ (عدت کے بعد) نکاح کرے (اور اس سے ہم بستری بھی ہو) پھر اگر یہ (دوسرا خاوند) اس (عورت) کو طلاق دے دے (اور عدت بھی گزر جائے) تو ان دونوں پر کچھ گناہ نہیں کہ (دوبارہ نکاح کر کے) بدستور پھر مل جاویں..."

آیت کے اس تفسیری ترجمے کے بعد مولانا تھانوی فرماتے ہیں:

"فـــ: اس کو حلالہ کہتے ہیں، جب کوئی شخص اپنی بی بی کو تین طلاق دے گا پھر دوبارہ اس کے ساتھ نکاح کرنے کے لئے یہی حلالے کا طریق شرط ہے..."[1]

1 تفسیر بیان القرآن، ص۷۵، مطبوعہ تاج کمپنی

مجلس التحقیق الاسلامی کے زیر اہتمام ملت اسلامیہ کا علمی اور اصلاحی مجلہ

magazine.mohaddis.com

مولانا تھانوی نے 'بہشتی زیور' میں بھی اس مسئلے کو بیان کیا ہے، لیکن اس میں اپنے تقلیدی جمود کو نہیں چھوڑا اور حلالے والے نکاح کو حرام اور باعثِ لعنت قرار دینے کے باوجود نکاح کا جواز تسلیم کیا ہے۔ إنا لله وإنا إليه راجعون... چنانچہ لکھتے ہیں:

"اگر دوسرے مرد سے اس شرط پر نکاح ہوا کہ صحبت کر کے عورت کو چھوڑ دے گا تو اس سے اقرار لینے کا کچھ اعتبار نہیں، اس کو اختیار ہے چھوڑے یا نہ چھوڑے اور جب جی چاہے چھوڑے اور یہ اقرار کر کے نکاح کرنا بہت گناہ اور حرام ہے، اللہ تعالیٰ کی طرف سے لعنت ہوتی ہے لیکن نکاح ہو جاتا ہے۔"[1]

➢ مولانا تقی عثمانی صاحب کے والد محترم مفتی محمد شفیع مرحوم اپنی تفسیر میں اس آیت کے ضمن میں لکھتے ہیں:

"یعنی اگر اس شخص نے تیسری طلاق بھی دے ڈالی (جو شرعاً پسندیدہ نہ تھی) تو اب نکاح کا معاملہ بالکلیہ ختم ہو گیا، اس کو رجعت کرنے کا کوئی اختیار نہ رہا۔ اور چونکہ اس نے شرعی حدود سے تجاوز کیا کہ بلاوجہ تیسری طلاق دے دی تو اس کی سزا یہ ہے کہ اب اگر یہ دونوں راضی ہو کر پھر آپس میں نکاح کرنا چاہیں تو وہ بھی نہیں کر سکتے، اب ان کے آپس میں دوبارہ نکاح کے لئے شرط یہ ہے کہ یہ عورت (عدت طلاق پوری کر کے) کسی دوسرے مرد سے نکاح کرے اور حقوقِ زوجیت ادا کر کے دوسرے شوہر کے ساتھ رہے، پھر اگر اتفاق سے وہ دوسرا شوہر بھی طلاق دے دے (یا مر جائے) تو اس کی عدت پوری کرنے کے بعد پہلے شوہر سے نکاح ہو سکتا ہے۔ آیت کے آخری جملے ﴿فَإِنْ طَلَّقَهَا فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا أَنْ يَتَرَاجَعَا﴾ کا یہی مطلب ہے۔"[2]

یعنی والد مرحوم نے اللہ کی منشا یہ سمجھی کہ تیسری طلاق دینے والے کی سزا یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے بتلائے ہوئے طریق حلالہ کے بغیر اب یہ دونوں میاں بیوی باہمی رضامندی کے باوجود بھی دوبارہ نکاح نہیں کر سکتے۔ لیکن صاحبزادۂ گرامی قدر فرماتے ہیں کہ تیسری طلاق بھی

۱ بہشتی زیور: حصہ چہارم، ص ۲۳۹، طبع مدینہ پبلشنگ کمپنی، کراچی
۲ تفسیر معارف القرآن: ۱/۵۵۸، ۵۵۹... ۱۹۸۳ء

مجلس التحقیق الاسلامی کے زیر اہتمام ملت اسلامیہ کا علمی اور اصلاحی مجلہ

magazine.mohaddis.com

دے دی ہے تو کوئی فکر والی بات نہیں ہے، ایک دو راتوں کے لئے کسی سے عارضی نکاح کردیا جائے، پھر اس سے طلاق لے کر (عدت گزارنے کے بعد) دونوں میاں بیوی دوبارہ نکاح کرلیں۔

یعنی اللہ تعالیٰ تو تیسری طلاق دینے والے کو ایک مخصوص سزا دے کر طلاق دینے کی حوصلہ شکنی کرنا چاہتا ہے تاکہ گھر برباد نہ ہوں اور بچے والدین کی شفقت اور نگرانی سے محروم نہ ہوں لیکن حلالۂ ملعونہ کو حلال ثابت کرنے والے یا بقول علامہ اقبالؒ، قرآن کو بدلنے (اللہ کی منشا کو ختم کرنے والے) فقیہانِ حرام طلاق کی حوصلہ افزائی فرمارہے ہیں اور وہ بھی کس وجہ سے؟ کیا ان کے پاس اپنے اس موقف کی کوئی نقلی دلیل ہے؟ نہیں، یقیناً نہیں۔ کوئی عقلی دلیل ہے؟ نہیں وہ بھی یقیناً نہیں ہے۔ سوائے اس تقلیدی جمود کے، ان کے پاس کوئی دلیل نہیں جو اہل تقلید کا ہر دور میں شعار رہا ہے اور علم و تحقیق کے اس دور میں بھی وہ اپنی اسی روش پر مصر ہیں۔

اور دلچسپ ترین بات یہ ہے کہ قرآن و حدیث کی واضح نصوص کے مقابلے میں اس تقلیدی جمود کو یہ علماے مقلدین خود بھی یکسر ناجائز، حرام اور کفر کے قریب طرزِ عمل قرار دیتے ہیں، جس کو ہماری اس بات میں شبہ ہو، وہ 'تذکرۃ الرشید' میں مولانا اشرف علی تھانوی کا وہ مکتوب پڑھ لیں جو مقلدین کے اسی طرزِ عمل کی بابت اُنہوں نے مولانا رشید احمد گنگوہی کو تحریر کیا تھا، اور ان کے 'فتاویٰ امدادیہ' میں بھی اس کی صداے بازگشت سنی جاسکتی ہے۔ اسی قسم کی رائے کا اظہار مولانا محمود الحسن مرحوم نے 'ایضاح الادلۃ' میں کیا ہے اور خود مولانا تقی عثمانی صاحب نے اپنی تالیف 'تقلید کی شرعی حیثیت' میں بھی کیا ہے۔ شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ نے بھی اپنی متعدد کتابوں حجة الله البالغة، عقد الجيد، الإنصاف اور التفهيمات وغیرہا میں اس طرز عمل کا شکوہ اور اپنے دُکھ کا اظہار کیا ہے۔ طوالت سے بچنے کے لئے ہم نے صرف حوالوں پر اکتفا کیا ہے۔ تاہم یہاں شاہ ولی اللہؒ کا صرف ایک اقتباس پیش کرکے ہم آگے چلتے ہیں کیونکہ یہ بات تو درمیان میں ضمناً نوکِ قلم پر آگئی۔ شاہ صاحب فرماتے ہیں:

"اگر تم اس اُمت میں یہود کا نمونہ دیکھنا چاہو تو ان علماے سوء کو دیکھ لو جو دنیا کے طالب اور اپنے اسلاف کی تقلید کے خوگر اور کتاب و سنت سے روگردانی کرنے والے

magazine.mohaddis.com

ہیں اور جو عالموں کے تعمق اور تشدد یا اُن کے بے اصل استنباط کو سند ٹھہرا کر معصوم شارع کے کلام سے بے پرواہو گئے ہیں اور موضوع حدیثوں اور فاسد تاویلوں کو اپنا مقتدا بنار کھا ہے۔''[1]

(۲) مولانا عبد الماجد دریا آبادی مرحوم بھی حنفیت کے تقلیدی جمود سے باہر نہ نکل سکے اور اس لعنتی فعل کے ذریعے سے جوازِ نکاح کے قائل رہے۔ تاہم اس آیت کی وضاحت میں ان کا تفسیری نوٹ نہایت گراں قدر ہے۔ فرماتے ہیں:

''اس شرط کے ساتھ نئے شوہر کا کسی مطلقہ کے ساتھ نکاح کرنا کہ بعد صحبت طلاق دے دی جائے گی، تاکہ وہ اپنے شوہر اوّل کے لئے جائز ہو جائے 'حلالہ' کہلاتا ہے۔ حدیث میں مُحلِل یعنی وہ دوسرا شوہر جو نکاح جیسے اہم سنجیدہ اور مقدس معاہدے کو پہلے شوہر کی خاطر ایک کھیل اور تفریح کی چیز بنائے دیتا ہے اور محلَّل لہ یعنی وہ پہلا شوہر جس کی خاطر معاہدۂ نکاح کی اہمیت، سنجیدگی و تقدیس خاک میں ملائی جارہی ہے، ان دونوں پر لعنت آئی ہے۔''[2]

لیکن ہم ان حنفی علما سے پوچھتے ہیں کہ محلِل اور محلَّل لہ کو تو آپ مستحق لعنت سمجھ رہے ہیں لیکن جن فقہانے اس کو سند جواز دے کر نکاح جیسے سنجیدہ اور مقدس معاہدے کو ایک کھیل اور تفریح کی چیز اور معاہدہ نکاح کی اہمیت، سنجیدگی و تقدیس کو خاک میں ملایا ہے اور آج بھی ان کی تقلید میں آپ لوگ دین کو کھلواڑ بنائے ہوئے ہیں، کیا آپ اسلام کی صحیح وکالت، قرآن کی صحیح وضاحت اور شریعت کی صحیح تعبیر کر رہے ہیں؟ اور اگر محلل اور محلل لہ ملعون ہیں تو اس لعنتی فعل کو جواز کی سند مہیا کرنے والے کیا ہیں؟

➤ بہر حال بات ہو رہی تھی مذکورہ آیت کی بابت اُردو مفسرین کے توضیحی نوٹس کی۔ اس ضمن میں یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ خود مولانا تقی عثمانی صاحب نے بھی 'آسان ترجمہ

2014

١ الفوز الکبیر، اُردو ترجمہ، ص ۱۷، ندوۃ المصنفین دہلی
٢ تفسیر ماجدی: ۱/ ۹۲، مطبوعہ تاج کمپنی

مجلس التحقیق الاسلامی کے زیر اہتمام ملت اسلامیہ کا علمی اور اصلاحی مجلہ

magazine.mohaddis.com

قرآن' کے نام سے ایک مختصر تفسیر لکھی ہے۔ موصوف اس میں ﴿اَلطَّلَاقُ مَرَّتٰنِ ...الآیۃ﴾ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

''اس آیت نے ایک ہدایت تو یہ دی ہے کہ اگر طلاق دینی ہی پڑ جائے تو زیادہ سے زیادہ دو طلاقیں دینی چاہئیں، کیونکہ اس طرح میاں بیوی کے درمیان تعلقات بحال ہونے کا امکان رہتا ہے۔ چنانچہ عدت کے اندر شوہر کو طلاق سے رجوع کرنے کا حق رہتا ہے اور عدت کے بعد دونوں کی باہمی رضامندی سے نیا نکاح نئے مہر کے ساتھ ہو سکتا ہے۔ لیکن جیسا کہ اگلی آیات میں فرمایا گیا ہے، تین طلاقوں کے بعد دونوں راستے بند ہو جاتے ہیں اور تعلقات کی بحالی کا کوئی طریقہ باقی نہیں رہتا۔''[1]

اب اس آیت کے عموم سے اگر بہ نیتِ تحلیل نکاح کا جواز نکلتا ہے، جیسا کہ اُنہوں نے اپنے تدریسی افادات 'درسِ ترمذی' میں یہ استدلال پیش کر کے اس سے یہ جواز ثابت کیا ہے تو پھر 'آسان ترجمۂ قرآن' میں یہ کہنا کہ ''تینوں طلاقوں کے بعد تعلقات کی بحالی کا کوئی طریقہ باقی نہیں رہتا'' کس طرح درست ہے؟ اگر قرآنِ کریم کی آیت کی وہ تفسیر صحیح ہے جو اُنہوں نے اپنی تفسیر میں کی ہے تو 'درسِ ترمذی' میں بیان کردہ استدلال اور اس سے ایک تیسرا راستہ نکالنا غلط ہے اور اگر 'درسِ ترمذی' والی بات صحیح ہے تو پھر تفسیر والی بات غلط ہے۔

مولانا تقی عثمانی صاحب سے سوال

اس کی وضاحت وہ خود ہی فرمائیں گے کہ ان میں سے کون سی بات درست اور کون سا استدلال صحیح ہے؟ قرآن کریم کی بیان کردہ وضاحت، جس کی صحیح تفسیر کرنے کی توفیق اللہ نے آپ کو دی یا 'درسِ ترمذی' کا وہ استدلال جو آپ نے خانہ ساز اُصول کی آڑ لے کر تقلیدی جمود میں پیش کیا؟ اور جس سے تین طلاقوں کے بعد بھی ایک نہایت آسان راستہ تعلقات کی بحالی کا کھل جاتا ہے جو قرآنِ کریم کی رُو سے نہیں کھلتا۔ اس نہایت آسان راستے میں البتہ یہ ضرور ہے کہ انسان کو بے غیرت اور لعنتِ الٰہی کا مورد بننا پڑتا ہے۔ لیکن اس کا یہ فائدہ ضرور ہے کہ تقلید

1 آسان ترجمہ قرآن: ص ۱۱۳، طبع جدید، اکتوبر ۲۰۱۳ء

مجلس التحقیق الاسلامی کے زیر اہتمام ملت اسلامیہ کا علمی اور اصلاحی مجلہ

magazine.mohaddis.com

کا طوق قائم اور محفوظ رہتا ہے۔

علمائے احناف سے بھی چند سوال

- علمائے احناف بھی اس کی وضاحت فرمائیں کہ کیا بے غیرتی اور لعنت الٰہی والا راستہ پسندیدہ ہے جو تقلیدی جمود کا راستہ بھی ہے اور جس میں قرآن و حدیث کی نصوصِ صریحہ سے گریز کیے بغیر آدمی نہیں چل سکتا؟
- یہ بھی وضاحت فرمائی جائے کہ اسلام بے غیرتی والا دین ہے یا غیرت والا؟ اسلام نے کسی بھی مرحلے میں بے غیرتی کی تعلیم دی ہے؟
- نیز کیا اسلام میں ایک شخص کے جرم کی سزا کسی دوسرے شخص کو دی جاسکتی ہے؟ تیسری طلاق دینے کا جرم تو مرد (خاوند) کرتا ہے لیکن آپ حضرات اس کی سزا عورت (بیوی) کو دیتے ہیں کہ ایک دو راتوں کے لیے اسے کرائے کے سانڈ کے حوالے کر دیتے ہیں۔ کیا اسلام میں اس بے انصافی کی اجازت ہے؟ اور کیا یہ قرآن کی آیت ﴿وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ أُخْرٰى﴾[1] کے خلاف نہیں ہے؟
- اور کیا یہ فتوائے حلالہ خلافِ عقل بھی نہیں ہے؟ تقاضائے عقل تو یہ ہے کہ جرم کی سزا مجرم کو دی جائے، اور آپ حضرات اس کی سزا اس کو دیتے ہیں جو سراسر بے قصور ہے۔ البتہ شوہر کو ایک سزا یہ ضرور ملتی ہے بشرطیکہ وہ غیرت مند ہو کہ اس کی چند راتیں اس کرب میں گزرتی ہیں کہ اس کی بیوی کو کب کرائے کے سانڈ سے آزادی ملتی ہے اور وہ 'باعزت' اس کے پاس واپس آتی ہے؟ (باقی)

---

1 سورۃ الاسراء:۱۵

مجلس التحقیق الاسلامی کے زیر اہتمام ملت اسلامیہ کا علمی اور اصلاحی مجلہ

magazine.mohaddis.com

ابو الفوزان کفایت اللہ سنابلی

ماہِ ربیع الاوّل اور عید میلاد

(۱) 'عیدِ میلاد' کی تاریخ

'عید میلاد' کے موجد

عہدِ نبوی ﷺ، عہدِ صحابہ رضی اللہ عنہم، نیز تابعین عظام اور اُن کے بعد کے ادوار میں 'عید میلاد' کا کوئی تصور نہیں تھا، بلکہ یہ بدعت بہت بعد میں ایجاد ہوئی، یہ ایک ایسی حقیقت ہے کہ جس کا انکار میلاد منانے والے بھی نہیں کرسکتے۔ لہٰذا جب یہ بات مسلّم ہے کہ اس عمل کی ایجاد بعد میں ہوئی تو ہمیں یہ ضرور پتہ لگانا چاہیے کہ اس کی ایجاد کب ہوئی؟ اور اسے ایجاد کرنے والے کون لوگ تھے؟ اس سلسلے میں جب ہم تاریخ کی ورق گردانی کرتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ اس بدعت کی ایجاد فاطمی دور (۳۶۲ھ - ۵۶۷ھ) میں ہوئی اور اسے ایجاد کرنے والے بھی فاطمی خلفا ہی تھے، احمد بن علی بن عبد القادر (متوفی ۸۴۵ھ) لکھتے ہیں:

وكان للخلفاء الفاطميين في طول السنة أعياد ومواسم وهي موسم رأس السنة، موسم أوّل العام، ويوم عاشورآء، ومولد النبي ﷺ...[1]

یعنی "فاطمی خلفا کے یہاں سال بھر میں کئی طرح کے جشن اور محفلوں کا انعقاد ہوتا تھا اور وہ یہ ہیں: سال کے اختتام کا جشن، نئے سال کا جشن، یوم عاشورا کا جشن، اور میلاد النبی ﷺ کا جشن۔"

اور تقریباً یہی بات احمد بن علی بن احمد فزاری (متوفی: ۸۲۱ھ) نے کچھ یوں نقل کی ہے:

اَلْجُلُوسُ الثَّالِث جُلُوسه فِي مَوْلِدِ النَّبِيِّ ﷺ فِي الثَّانِي عَشَرَ مِنْ شَهرِ

۱ الخطط المقریزیہ: ۱/ ۴۹۵

مجلس التحقیق الاسلامی کے زیر اہتمام ملت اسلامیہ کا علمی اور اصلاحی مجلہ

magazine.mohaddis.com

رَبِيْعِ الأَوَّلِ وَكَانَ عَادَتَهُمْ فِيهِ أَنْ يَّعمَلَ فِي دَارِ الْفِطْرَةِ عِشْرُونَ قِنطَارًا مِنَ السُّكَّرِ الفَائِقِ حلْوىٰ مِنْ طَرَائِفِ الأَصْنَافِ، وَتَعبّى فِي ثَلاثَ مِائَة صِيْنِية نُحَاسٍ. فَإِذَا كَانَ لَيلَةُ ذٰلِكَ المَوْلِد، تَفَرَّقَ فِي أَرْبَابِ الرُّسُوْمِ: كَقَاضِى الْقُضَاةِ، وَدَاعِي الدُّعَاةِ، وَقُرّاء الحضرَةِ، وَالخُطَباء، وَالمتَصَدِّرِينْ بِالجَوامِعِ القَاهِرَةِ وَمِصرَ، وَقَومة المُشَاهِدِ وَغَيْرهم مِمَّن لَه اسْم ثَابت بِالدِّيوَانِ[1]

”تیسرا جلوس ربیع الاوّل کو میلاد النبی ﷺ کا نکالا جاتا تھا۔اس جلوس میں ان کا طریقہ یہ تھا کہ 'دار الفطرہ' میں ۲۰ قنطار عمدہ شکر سے مختلف قسم کا حلوہ تیار کیا جاتا اور پیتل کے تین سو برتنوں میں ڈالا جاتا اور جب میلاد کی رات ہوتی تو اس حلوہ کو مختلف ذمہ داران مثلاً قاضی القُضاۃ، داعی الدُعاۃ، قرا، واعظین، قاہرہ اور مصر کی جامع مساجد کے صدور، مزاروں کے مجاور و نگران اور دیگر ایسے لوگوں میں تقسیم کر دیا جاتا جن کا نام رجسٹرڈ ہوتا۔“

مولانا سید سلیمان ندوی ؒ لکھتے ہیں:

”اسلام میں میلاد کی مجلسوں کا رواج غالباً چوتھی صدی سے ہوا۔“[2]

مذکورہ حوالوں سے معلوم ہوا کہ 'عید میلاد' فاطمی دور (۳۶۲ھ-۵۶۷ھ) میں ایجاد ہوئی اور اسے ایجاد کرنے والے فاطمی خلفا ہی تھے۔[3]

فاطمی خلفا کی حقیقت

اب آیے دیکھتے ہیں کہ اس بدعت کو ایجاد کرنے والے فاطمی خلفا حقیقت میں کون تھے؟ یہ بات اچھی طرح سمجھ لینی چاہیے کہ فاطمی خلفا، آپ ﷺ کی صاحبزادی سیدہ فاطمہ ؓ کی نسل سے ہرگز نہیں تھے، بلکہ یہ لوگ یہودیوں اور مجوسیوں کی اولاد تھے اور اسلام کے کٹر دشمن تھے، اُنہوں نے اسلام کو مٹانے کے لیے اسلام کا لبادہ اوڑھ لیا اور سراسر جھوٹ اور فریب کا سہارا لیتے ہوئے اپنے آپ کو فاطمی النسل ظاہر کیا، لیکن علماے وقت نے اُن کے اس جھوٹ

۱ صبح الاعشٰی: ۳/ ۵۷۶

۲ سیرۃ النبی: ۳/ ۶۶۴

۳ تفصیل کے لئے دیکھیے: البدع الحولیہ: ص ۱۳۷ تا ۱۵۱

مجلس التحقیق الاسلامی کے زیر اہتمام ملت اسلامیہ کا علمی اور اصلاحی مجلہ

magazine.mohaddis.com

کا پردہ چاک کر دیا اور صاف اعلان کر دیا کہ یہ لوگ فاطمی النسل ہر گز نہیں ہیں۔ چنانچہ علامہ ابن خلکان لکھتے ہیں:

وأهل العلم بالأنساب من المحققين ينكرون دعواه في النسب[1]

"ماہر انساب محقق علما نے ان کے فاطمی النسل ہونے کے دعوی کی تردید کی ہے۔"

بلکہ ۴۰۲ھ میں تو اہل سنّت کے اکابر کا ایک اجلاس ہوا جس میں چوٹی کے محدثین، فقہا، قاضیوں اور دیگر بزرگان نے شرکت کی اور سب نے متفقہ طور پر یہ فیصلہ دیا کہ خود کو فاطمی النسل ظاہر کرنے والے خلفا جھوٹے اور مکار ہیں، اہل بیت سے ان کا کوئی تعلق نہیں ہے، پھر علما کے اس متفقہ فیصلہ کو تحریری شکل میں لکھا گیا اور تمام لوگوں نے اس پر دستخط کیے۔[2] علما کی اس متفقہ تحریر میں فاطمیوں کی حقیقت ان الفاظ میں واضح کی گئی:

هٰذا لحاكم بمصر-هو وسلفه- كفار فساق فجار، ملحدون زنادقة، معطلون، وللإسلام جاحدون، ولمذهب المجوسية والثنوية معتقدون، قد عطلوا الحدود، وأباحو الفروج، وأحلوا الخمر، وسفكوا الدماء، وسبواالأنبياء، ولعنوا السلف، وادعوا الربوبية وكتب في سنة اثنتين وأربع مائة للهجرة، وقد كتب خطه في المحضر خلق كثير[3]

"مصر کا یہ بادشاہ حاکم اور اس کے تمام سابقہ سربراہان، کافر، فاجر، فاسق، ملحد، زندیق، فرقہ معطلہ سے تعلق رکھنے والے، اسلام کے منکر اور مذہبِ مجوسیت اور ثنویت کے معتقد تھے۔ ان تمام لوگوں نے حدودِ شرعیہ کو بے کار اور حرام کاریوں کو مباح کر دیا تھا۔ مسلمانوں کا خون بے دردی سے بہایا، انبیاے کرام کو گالیاں دیں، اسلاف پر لعنتیں بھیجیں، خدائی کے دعوے کیے۔ یہ ساری باتیں ۴۰۲ھ میں ہر طبقہ کے بے شمار آدمیوں کی موجودگی میں لکھی گئی ہیں اور بہت سے لوگوں نے اس پر دستخط کیے ہیں۔"

۱ وفیات الاعیان: ۳/۱۱۷، ۱۱۸

۲ البدایہ والنہایہ: ۱۱/۳۶۱، ۳۶۰، اور اس کا اردو ترجمہ تاریخ ابن کثیر: ۱۱/۷۷۹، ۷۸۰

۳ البدایہ والنہایہ: ۱۱/۳۶۱، اور اس کا اُردو ترجمہ تاریخ ابن کثیر: ۱۱/۷۸۰، ۷۷۹ مذکورہ ترجمہ اسی کتاب کا ہے۔

مجلس التحقیق الاسلامی کے زیر اہتمام ملت اسلامیہ کا علمی اور اصلاحی مجلہ

magazine.mohaddis.com

اسی پر بس نہیں بلکہ بعض علما نے اپنی بعض کتابوں میں ان کے کفر وفسق پر خصوصی بحث کی ہے، مثلاً امام غزالی نے اپنی کتاب 'فضائح الباطنیہ' میں ایک خصوصی بحث کرتے ہوئے اُنہیں خالص کافر قرار دیا۔[1]

بلکہ بعض علما نے تو ان کے خلاف مستقل کتاب لکھ ڈالی ہے مثلاً امام قاضی ابو بکر باقلانیؒ نے كشف الأستار وهتك الأستار نامی کتاب لکھی اور اس میں ثابت کیا کہ فاطمی، مجوسیوں کی اولاد ہیں اور ان کا مذہب یہود ونصاریٰ کے مذہب سے بھی بدتر ہے۔

یہ تو علمائے اہل سنت کا فیصلہ ہے۔ لطف تو یہ ہے کہ وہ معتزلہ اور شیعہ جو سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے افضل کسی کو نہیں سمجھتے، اُنہوں نے بھی فاطمیوں کو کافر اور منافق قرار دیا ہے۔[2]

غرض یہ کہ جمہور اُمت نے انہیں کافر وفاسق قرار دیا ہے، علامہ ابن تیمیہؒ لکھتے ہیں:

وكذلك النسب قد علم أن جمهور الأمة تطعن في نسبهم، ويذكرون أنهم من أولاد المجوس أو اليهود، هٰذا مشهور من شهادة علماء الطوائف من الحنفية والمالكية والشافعية والحنابلة وأهل الحديث وأهل الكلام، وعلماء النسب والعامة وغيرهم[3]

یعنی "اسی طرح فاطمیوں کا نسب بھی جھوٹا ہے اور یہ بات سب کو معلوم ہے کہ جمہور اُمّت فاطمیوں کے نسب کو غلط قرار دیتے اور کہتے ہیں کہ یہ لوگ مجوسیوں یا یہودیوں کی اولاد ہیں، یہ بات مشہور ومعروف ہے۔ اس کی گواہی حنفیہ، مالکیہ، شافعیہ، حنابلہ، اہل حدیث، اہل کلام کے علمائے نسب کے ماہرین اور عوام وخواص سب دیتے ہیں۔"

مذکورہ تفصیل سے یہ بات واضح ہوگئی کہ 'عید میلاد' کی ایجاد کرنے والے مسلمان نہ تھے بلکہ یہ یہودیوں اور مجوسیوں کی ایجاد ہے، اُنہوں نے گہری سازش کر کے حکومت کی باگ ڈور سنبھالی اور اپنی حقیقت چھپانے کے لیے خود کو فاطمی النسل کہا اور اپنے اس دعویٰ کو مضبوط بنانے کے لئے 'عید میلاد' کا ڈرامہ کھیلا تاکہ لوگوں کو یقین ہوجائے کہ واقعی یہ لوگ اہل بیت

۱ فضائح الباطنیہ: ۱/ ۳۷

۲ مجموع فتاویٰ ابن تیمیہ: ۳۵/ ۱۲۹

۳ مجموع فتاویٰ ابن تیمیہ: ۳۵/ ۱۲۸

مجلس التحقیق الاسلامی کے زیر اہتمام ملت اسلامیہ کا علمی اور اصلاحی مجلہ

magazine.mohaddis.com

میں سے ہیں اور نبی کریم ﷺ سے محبت کا ڈھونگ رچایا۔

مسلمانوں میں اس بدعت کا رواج

فاطمی دور کے مسلمانوں نے یہودیوں کی ایجاد کردہ بدعت کو قبول نہیں کیا اور یہ بدعت صرف فاطمی خلفا ہی تک محدود رہی، لیکن تقریباً دو سو سال کے بعد عمر بن محمد نام کا ایک ملّا اور مجہول الحال شخص ظاہر ہوا اور اُس نے اس یہودی بدعت کی تجدید کی، اور ابو سعید الملک المعظم مظفر الدین بن زین الدین کو کبوری نامی بادشاہ جو ایک فضول خرچ اور بد اخلاق بادشاہ تھا، لہو ولعب، اور گانے باجے کا رسیا تھا، بلکہ خود بھی ناچتا تھا[1]۔

اس بد خلق بادشاہ نے اس بدعت کو مسلمانوں میں رائج کیا۔ اس کے بعد ابو الخطاب بن دحیہ نامی ایک کذاب اور بد دماغ شخص نے بادشاہ کو خوش کرنے کے لیے اس موضوع پر ایک کتاب لکھ ڈالی ۔ پوری دنیا میں اس موضوع پر یہ پہلی کتاب ہے جسے اس کذاب نے تالیف کیا، اس مؤلف کو تمام ائمہ نے متفق ہو کر 'کذاب' قرار دیا ہے۔ ابن نجار کہتے ہیں:

رأيت الناس مجتمعين علىٰ كذبه ووضعه وادعائه لسمع ما لم يسمعه ولقاء من لم يلقه[2]

''تمام لوگوں کا اس بات پر اتفاق ہے کہ ابن دحیہ جھوٹا اور حدیثیں گھڑنے والا ہے اور یہ ایسے شخص سے سننے کا دعویٰ کرتا ہے جس سے ہرگز نہیں سنا اور ایسے شخص سے ملاقات کا دعویٰ کرتا ہے جن سے وہ ہرگز نہیں ملا۔''

اور حافظ ابن حجرؒ اس کے بارے محدثین کا فیصلہ نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

كثير الوقيعة في الأئمة وفي السلف من العلماء، خبيث اللسان أحمق شديد الكبر[3]

''ابن دحیہ ائمہ اور علماے سلف کی شان میں بہت زیادہ گستاخی کرنے والا، بدزبان، احمق اور بڑا متکبر تھا۔''

١ تاریخ مرآۃ الزمان؛ وفیات الاعیان بحوالہ تاریخ میلاد: ص ۲۶،۲۵

۲ لسان المیزان: ۴/ ۲۹۵

۳ لسان المیزان: ۴/ ۲۹۶

مجلس التحقیق الاسلامی کے زیر اہتمام ملت اسلامیہ کا علمی اور اصلاحی مجلہ

magazine.mohaddis.com

اور علامہ جلال الدین سیوطی لکھتے ہیں:

''ابن دحیہ اپنی عقل سے فتوی دے دیتا پھر اس کی دلیل تلاش کرنے لگ جاتا اور جب اسے کوئی دلیل نہ ملتی تو اپنی طرف سے حدیث گھڑ کے پیش کر دیتا، مغرب میں قصر کرنے کی حدیث اُسی نے گھڑی ہے۔''[1]

قارئین کرام! یہ ہے 'عید میلاد' کی تاریخ، یہ یہودیوں کی ایجاد ہے اور اسے مسلمانوں میں ان لوگوں نے رائج کیا جو بد اخلاق، احمق اور کذاب تھے، اگر کوئی صرف انہیں باتوں پر غور کر لے تو وہ یقینا یہی فیصلہ کرے گا کہ اسلام میں اس بدعت کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔

(۲) 'عید میلاد' کی شرعی حیثیت

قرآن و حدیث کی رو سے اس بات میں ذرہ برابر بھی شک نہیں ہے کہ 'عید میلاد' بدعات میں سے ایک بدترین بدعت ہے۔ بہت سارے لوگوں کو یہ غلط فہمی ہے کہ قران و حدیث میں اگر عید میلاد کا حکم نہیں ہے تو اس کی ممانعت بھی نہیں ہے، حالانکہ یہ غلط خیال ہے، کیونکہ عید میلاد کی ممانعت اور اس کا بطلان قران و حدیث دونوں میں موجود ہے، لیکن قران و حدیث کی یہ دلیلیں دیکھنے سے پہلے یہ بات ذہن نشین کر لینی چاہیے کہ قران و حدیث میں بعض چیزوں کو عام طور پر باطل قرار دیا گیا ہے اور کسی خاص چیز کا نام نہیں لیا گیا ہے۔ لہٰذا یہاں یہ نہیں سمجھنا چاہیے کہ اس کی ممانعت قرآن و حدیث میں نہیں ہے، مثال کے طور پر پوری اُمتِ اسلامیہ کے نزدیک کافر قرار پانے والے مرزا غلام احمد قادیانی کا نام قران و حدیث میں کہیں نہیں ہے، لیکن اس کے باوجود بھی پوری اُمت کا ماننا ہے کہ قرآن و حدیث کی رو سے قادیانی کی نبوت باطل ہے، کیونکہ قرآن میں جو یہ کہا گیا کہ آپ ﷺ خاتم النبیین ہیں، یعنی آپ ﷺ کے بعد جو بھی نبوت کا دعوی کرے گا، اس کی نبوت باطل ہے، تو اس بطلان میں مرزا قادیانی کی نبوت بھی شامل ہے۔ اسی طرح حدیث میں آپ ﷺ کا ارشاد ہے کہ میرے بعد کوئی نبی نہیں ہو گا، یعنی آپ ﷺ کے بعد جو بھی نبوت کا دعوی کرے گا، اس کی نبوت باطل ہے تو اس بطلان میں قادیانی کی نبوت بھی شامل ہے۔ ٹھیک اسی طرح عید میلاد بھی

۱ تدریب الراوی: ۱/ ۲۸۶

مجلس التحقیق الاسلامی کے زیر اہتمام ملت اسلامیہ کا علمی اور اصلاحی مجلہ

magazine.mohaddis.com

قرآن وحدیث کی رو سے باطل ہے چنانچہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

''آج میں نے تمہارا دین مکمل کر دیا۔''[1]

یعنی اب اگر کوئی دین میں کسی نئی چیز کا دعوی کرے گا تو وہ باطل ہے، عید میلاد بھی دین میں نئی چیز ہے لہٰذا قرآن کی اس آیت کی روشنی میں باطل ہے۔ اسی طرح آپ ﷺ کا ارشاد ہے کہ ''جس نے بھی ہمارے دین میں کوئی نئی چیز ایجاد کی، وہ مردود ہے''[2]

اور عید میلاد بھی دین میں نئی چیز ہے، لہٰذا اس حدیث کی روشنی میں باطل ہے۔ نیز اللہ تعالیٰ کا یہ بھی ارشاد ہے:

''اللہ اور اس کے رسول ﷺ سے آگے مت بڑھو۔''[3]

یعنی دین میں جس عمل کا حکم اللہ اور اُس کے رسول ﷺ نہ دیں، اُسے مت کرو۔ عید میلاد منانے کا حکم نہ اللہ نے دیا، نہ اس کے رسول ﷺ نے۔ لہٰذا قرآن کی اس آیت میں عید میلاد سے منع کیا گیا ہے۔ اسی طرح اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا:

''دین میں نئی چیزیں مت ایجاد کرو۔''[4]

یعنی دین میں جس عمل کا حکم نہ ہو، اسے مت کرو۔ عید میلاد منانے کا حکم دین میں نہیں ہے لہٰذا اس حدیث میں بھی عید میلاد سے منع کیا گیا ہے۔

اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ عید میلاد قرآن وحدیث کی روشنی میں باطل اور ممنوع ہے لہٰذا اب یہ غلط فہمی نہیں ہونی چاہیے کہ عید میلاد منانے کا حکم نہیں ہے تو اس سے منع بھی نہیں کیا گیا ہے، کیونکہ قرآن وحدیث سے اس کا بطلان اور اس کی ممانعت پیش کی جا چکی ہے۔ واضح رہے کہ جہاں تک رسول اکرم ﷺ سے محبت کا تعلق ہے تو اس سے کسی کو انکار نہیں، بلکہ حدیث رسول ﷺ کے مطابق ہمارا عقیدہ تو یہ ہے کہ کوئی بھی شخص اس وقت تک مؤمن نہیں ہو سکتا جب تک اللہ کے رسول ﷺ اس کے نزدیک تمام چیزوں سے زیادہ محبوب نہ

.2014

۱ سورۃ المائدۃ:۳
۲ صحیح بخاری:۲۶۹۷
۳ سورۃ الحجرات:۱
۴ سنن ابو داود:۴۶۰۷

مجلس التحقیق الاسلامی کے زیر اہتمام ملت اسلامیہ کا علمی اور اصلاحی مجلہ

magazine.mohaddis.com

ہو جائیں، لیکن محبت کا طریقہ کتاب وسنت سے ثابت ہونا چاہیے۔

(۳) عید میلاد کے دلائل کا جائزہ

عید میلاد منانے والے ایک طرف تو اسے 'بدعتِ حسنہ' کہتے ہیں، یعنی یہ اعتراف کرتے ہیں کہ اس کا حکم قران وحدیث میں نہیں ہے بلکہ یہ بعد کی ایجاد یعنی بدعت ہے، لیکن بدعتِ حسنہ ہے، مگر دوسری طرف قرآن وحدیث سے اس کے دلائل بھی پیش کرتے ہیں، یہ عجیب تضاد ہے! کیونکہ اگر اس کے دلائل قرآن وحدیث میں ہیں تو یہ بدعت حسنہ نہیں بلکہ سنت ہے، اور اگر یہ بدعتِ حسنہ ہے تو قرآن وحدیث میں اس کے دلائل کا ہونا ممکن ہی نہیں، صرف اسی بات پر غور کر لینے سے وہ تمام دلائل بے معنیٰ ہو جاتے ہیں جو میلاد کے جواز میں پیش کیے جاتے ہیں۔

اس کے علاوہ ایک اور بات قابل غور ہے کہ اگر قرآن وحدیث میں عید میلاد کا حکم ہے تو یہ حکم سب سے پہلے کس کو ملا؟ ظاہر ہے کہ صحابہؓ کرام کو، پھر سوال یہ ہے کہ صحابہ کرام نے اس حکم پر عمل کیوں نہ کیا؟ اس کے دو ہی جواب ہو سکتے ہیں: ایک یہ کہ صحابہ کرام نے اس حکم کی نافرمانی کی، یہ ماننے کی صورت میں صحابہ کرام کی شان میں گستاخی کا ارتکاب ہو گا ونعوذ باللہ من ذلك۔ اور دوسرا یہ کہ قرآن وحدیث میں یہ حکم موجود ہی نہیں، اسی لیے صحابہ کرام نے اس پر عمل نہ کیا، یہ ماننے کی صورت میں صحابہ کی عظمت برقرار رہتی ہے، لیکن پھر یہ دعوٰی غلط ثابت ہوتا ہے کہ قرآن وحدیث میں اس کے دلائل ہیں۔ مگر افسوس ہے کہ کچھ لوگ اس سیدھی سادھی بات کو سمجھنے کی کوشش نہیں کرتے اور قرآن وحدیث سے زبردستی عید میلاد کے دلائل کشید کرتے ہیں۔ اس قسم کے دلائل بہت پیش کیے جاتے ہیں، مذکورہ تفصیل سے ایسے تمام دلائل کی حقیقت واضح ہو گئی، ان پر مزید کچھ بحث کرنے کی ضرورت نہیں ہے، لیکن پھر بھی ہم بعض دلائل پر خصوصی بحث کرتے ہیں تاکہ بات مزید واضح ہو جائے۔

غلط فہمی نمبر ۱

کچھ لوگ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

مجلس التحقیق الاسلامی کے زیر اہتمام ملت اسلامیہ کا علمی اور اصلاحی مجلہ

magazine.mohaddis.com

﴿قُلْ بِفَضْلِ اللّٰهِ وَ بِرَحْمَتِهٖ فَبِذٰلِكَ فَلْيَفْرَحُوْا ؕ هُوَ خَيْرٌ مِّمَّا يَجْمَعُوْنَ ۝﴾[1]

''کہہ دیجیے کہ اللہ تعالیٰ کے فضل و رحمت کے ساتھ، پس اس کے ساتھ وہ خوش ہو جائیں، وہ اس سے بہتر ہے جسے یہ جمع کرتے ہیں۔''

اس آیت میں اللہ تعالیٰ اپنی رحمت پر خوش ہونے کا حکم دے رہے ہیں اور نبی کریم ﷺ تو رحمۃ للعالمین ہیں، لہٰذا اُن کی آمد پر سب سے زیادہ خوشی منانی چاہیے۔

وضاحت

اوّلاً: اس آیت میں آپ ﷺ کی ولادت باسعادت کا کوئی تذکرہ ہی نہیں ہے۔ ہاں اس سے پچھلی آیت میں نزول قرآن اور نزولِ ہدایت کا ذکر ضرور ہے۔

ثانیاً: اس آیت میں جس فضل و رحمت کا تذکرہ ہے، سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اس سے مراد کتاب و سنت کو بتلایا ہے۔ جناب ایفع بن عبد سے مروی ہے کہ

لَمَّا قَدِمَ خَرَاجُ الْعِرَاقِ إِلَى عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ خَرَجَ عُمَرُ وَمَوْلًى لَهُ، فَجَعَلَ عُمَرُ يَعُدُّ الْإِبِلَ، فَإِذَا هِيَ أَكْثَرُ مِنْ ذٰلِكَ، وَجَعَلَ عُمَرُ يَقُولُ: الْحَمْدُ لِلّٰهِ وَجَعَلَ مَوْلَاهُ يَقُولُ: يَا أَمِيرَ الْمُؤْمِنِينَ، هَذَا وَاللّٰهِ مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ وَرَحْمَتِهِ، فَقَالَ عُمَرُ: كَذَبْتَ، لَيْسَ هُوَ هَذَا، يَقُولُ اللّٰهُ تَعَالَى: ﴿قُلْ بِفَضْلِ اللّٰهِ وَ بِرَحْمَتِهٖ فَبِذٰلِكَ فَلْيَفْرَحُوْا ؕ﴾ يَقُولُ: بِالْهُدَى وَالسُّنَّةِ وَالْقُرْآنِ، فَبِذٰلِكَ فَلْيَفْرَحُوا، هُوَ خَيْرٌ مِمَّا يَجْمَعُونَ، وَهَذَا مِمَّا يَجْمَعُونَ[2]

''جب عراق کا خراج عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے پاس آیا تو عمر فاروق رضی اللہ عنہ اپنے ایک غلام کے ساتھ نکلے اور اونٹوں کا شمار کرنے لگے جو بہت زیادہ تھے۔ عمر فاروق رضی اللہ عنہ کہنے لگے: ''اللہ کا شکر ہے۔'' اور ان کا غلام بولا: ''اے امیر المؤمنین ! اللہ کی قسم! یہ اللہ کا فضل اور اُس کی رحمت ہے۔'' تو عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے کہا: ''تو نے غلط کہا، ایسا نہیں ہے، اللہ تعالیٰ تو فرماتا ہے: ''کہہ دیجیے کہ اللہ تعالیٰ کے فضل و رحمت کے

١ سورۃ یونس: ۵۸
٢ حلیۃ الاولیا: ۵/ ۱۳۳

مجلس التحقیق الاسلامی کے زیر اہتمام ملت اسلامیہ کا علمی اور اصلاحی مجلہ

magazine.mohaddis.com

ساتھ، پس اس کے ساتھ وہ خوش ہو جائیں۔"یعنی ہدایت، سنت اور قرآن سے خوش ہو جائیں، اس لیے اسی ہدایت، سنت اور قرآن سے خوش ہو جاؤ اور یہ (ہدایت اور قرآن وسنت) تمہاری جمع کردہ چیزوں سے بہتر ہے۔ اور یہ (اونٹ وغیرہ تو) وہ ہیں جنہیں لوگ جمع کرتے ہیں۔"

ثالثاً: لغتِ عرب میں فرحت، خوشی محسوس کرنے کو کہتے ہیں، خوشی یا جشن منانے کو نہیں۔ خوش ہونا اور چیز ہے، اور خوشی یا جشن منانا اور چیز ہے۔ ان دونوں باتوں میں زمین آسمان کا فرق ہے۔ مثلاً اللہ تعالیٰ نے سورہ توبہ میں غزوۂ تبوک سے پیچھے رہ جانے والے منافقین کے بارے میں فرمایا ہے: ﴿فَرِحَ الْمُخَلَّفُوْنَ بِمَقْعَدِهِمْ خِلٰفَ رَسُوْلِ اللّٰهِ﴾[1]

"رسول اللہ ﷺ (کے ساتھ غزوہ تبوک پر جانے کے بجائے آپ ﷺ) سے پیچھے رہنے والے خوش ہوئے۔"

تو کیا منافقین نے جشن منایا اور ریلیاں نکالی تھیں یا دلی خوشی محسوس کی تھی؟

رابعاً: اگر یہ آیت واقعی جشن منانے کی دلیل ہے تو پھر رسول اللہ ﷺ، صحابہ کرام، تابعین و تبع تابعین وائمہ دین نے اس پر عمل کیوں نہیں کیا؟

غلط فہمی نمبر ۲

کچھ لوگ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

﴿قَالَ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ اللّٰهُمَّ رَبَّنَآ اَنْزِلْ عَلَيْنَا مَآئِدَةً مِّنَ السَّمَآءِ تَكُوْنُ لَنَا عِيْدًا لِّاَوَّلِنَا وَاٰخِرِنَا وَاٰيَةً مِّنْكَ ۚ وَارْزُقْنَا وَاَنْتَ خَيْرُ الرّٰزِقِيْنَ﴾[2]

"عیسیٰ بن مریم نے کہا: اے اللہ! اے ہمارے ربّ! ہم پر آسمان سے کھانا نازل فرما جو ہمارے اوّل و آخر سب کے لیے عید ہو جائے اور تیری طرف سے نشانی ہو۔ اور ہمیں رزق دے اور تو ہی سب رزق دینے والوں میں بہترین رزق دینے والا ہے۔"

اس آیت میں عیسیٰ بن مریم علیہ السلام مائدہ کے نازل ہونے کے دن کو عید کا دن قرار دے

2014

۱ سورۃ التوبہ: ۸۱

۲ سورۃ المائدہ: ۱۱۴

مجلس التحقیق الاسلامی کے زیر اہتمام ملت اسلامیہ کا علمی اور اصلاحی مجلہ

magazine.mohaddis.com

رہے ہیں۔ تو ہم آمد رسول ﷺ کے دن کو عید کا دن کیوں نہیں قرار دے سکتے؟

وضاحت

اس آیت کو عید میلاد النبی ﷺ پر دلیل بنانا غلط ہے، کیونکہ

اوّلاً: عیسیٰ بن مریم علیہ السلام مائدہ کو عید قرار دے رہے ہیں، نہ کہ مائدہ نازل ہونے کے دن کو، کیونکہ ﴿ تَكُوْنُ لَنَا عِيْدًا ﴾ میں کلمہ تَکُون واحد مؤنث کا صیغہ ہے جس کا مرجع مائدہ ہے اور مائدہ کا نزول باعثِ خوشی ہے نہ کہ باعثِ جشن۔

ثانیاً: اگر یہاں سے عید مراد لے بھی لی جائے تو پھر ہر مائدہ کے نزول پر عید منانا لازم آتا ہے اور نزولِ مائدہ والا یہ کام تو روزانہ بلاناغہ صبح وشام ہوتا تھا۔ اور پھر عید منانے اور جشن منانے میں بہت فرق ہے۔ مسلمانوں کی عید ین یعنی عید الفطر اور عید الاضحیٰ کے دن بھی رسول اللہ ﷺ سے جشن منانا یا ریلیاں اور جلوس نکالنا ثابت نہیں، فتدبّر ...!

غلط فہمی نمبر ۳

کہاجاتا ہے کہ ابولہب کے مرنے کے بعد اس کے کسی رشتہ دار نے اُسے بہت بری حالت میں دیکھا اور پوچھا تیرا کیا حال ہے؟ ابولہب نے کہا: تم سے جدا ہو کر میں نے کوئی راحت نہ پائی سوائے اِس کے کہ مجھے پیر کے دن انگوٹھے اور شہادت کی اُنگلی کے بیچ سے کچھ پینے کو مل جاتا ہے بعض لوگوں کا خیال ہے کہ یہ چیز دودھ اور شہد تھی۔

وضاحت

اوّلاً: یہ روایت صحیح نہیں ہے۔ اس کی کئی وجوہات ہیں:

پہلی وجہ یہ ہے کہ اس روایت کو عروہ نے بیان کیا ہے، لیکن اُنہوں نے یہ نہیں بتایا کہ اُنہیں یہ روایت کہاں سے ملی؟ اور کس سے سنا؟... لہٰذا یہ روایت منقطع یعنی ضعیف ہے۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ یہ روایت قرآنی بیان کے خلاف ہے، کیونکہ اس روایت سے معلوم

مجلس التحقیق الاسلامی کے زیر اہتمام ملت اسلامیہ کا علمی اور اصلاحی مجلہ

magazine.mohaddis.com

ہوتا ہے کہ اُس کے ہاتھ اور اُس کی انگلیاں صحیح سلامت ہیں بلکہ کوئی چیز پینے کے بھی قابل ہیں، جب کہ قرآن کریم کا بیان ہے کہ ﴿تَبَّتْ يَدَآ اَبِيْ لَهَبٍ وَّ تَبَّ ۝﴾[1]

مولانا احمد رضا صاحب اس آیت کا ترجمہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"تباہ ہو جائیں ابولہب کے دونوں ہاتھ اور وہ تباہ ہو ہی گیا۔"[2]

اور پیر محمد کرم شاہ سجادہ نشین اس آیت کا ترجمہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"ٹوٹ جائیں ابولہب کے دونوں ہاتھ اور وہ تباہ و برباد ہو گیا۔"[3]

غور کیجیے کہ جب قرآنی بیان کے مطابق ابولہب کے دونوں ہاتھ تباہ و برباد ہو چکے ہیں تو پھر اسے دودھ اور شہد پینے کے لئے ہاتھ اور انگلیاں کہاں سے نصیب ہو گئیں؟ اب کس کا بیان صحیح ہے.... مذکورہ روایت کا یا قرآن مجید کا؟

(۳) تیسری وجہ یہ ہے کہ یہ روایت شرعی احکام کے بھی خلاف ہے، کیونکہ شریعت کی نظر میں بعض جرائم ایسے ہیں کہ ان کا ارتکاب کرنے والے شخص کے سارے اعمال برباد ہو جاتے ہیں اور اسے کسی بھی عمل کا کوئی فائدہ نہیں ملتا، مثلاً شرک اتنا بڑا جرم ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انبیا علیہم السلام کے بارے میں فرمایا:

"اگر فرضاً یہ حضرات بھی شرک کرتے تو جو کچھ یہ اعمال کرتے تھے، وہ سب اکارت ہو جاتے۔"[4]

بلکہ امام الانبیا صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں بھی فرمایا:

"اگر آپ نے شرک کیا تو آپ کا عمل بھی ضائع ہو جائے گا۔"[5]

اور اس میں کسی کو شک نہیں کہ ابولہب نے شرک جیسے عظیم جرم کا ارتکاب کیا۔ اسی طرح ابولہب نے کفر بھی کیا اور یہ جرم بھی اعمال کو برباد کر دیتا ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

۱ سورۃ المسد: ۱
۲ کنز الایمان: ترجمہ سورۂ مسد، آیت ۱
۳ تفسیر ضیاء القرآن: ترجمہ سورہ مسد، آیت ۱
۴ سورۃ الانعام: ۸۸
۵ سورۃ الزمر: ۶۵

مجلس التحقیق الاسلامی کے زیر اہتمام ملت اسلامیہ کا علمی اور اصلاحی مجلہ

magazine.mohaddis.com

"جو ایمان کا منکر و کافر ہے، اس کے اعمال ضائع اور برباد ہیں۔"[1]

اسی طرح ابولہب نے اللہ کی وحی کو ناپسند کیا اور یہ جرم بھی اعمال کو برباد کر دیتا ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: "یہ اس لیے کہ وہ اللہ کی نازل کردہ چیزوں کو ناپسند کرتے ہیں، پس اللہ نے ان کے اعمال ضائع و برباد کر دیے۔"[2]

اسی طرح ابولہب نے اللہ کے رسول ﷺ سے دشمنی کی ہے اور یہ جرم بھی اعمال کو برباد کر دیتا ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

"جن لوگوں نے کفر کیا، اللہ کی راہ سے لوگوں کو روکا اور رسول کی مخالفت کی اس کے بعد کہ ان کے لیے ہدایت ظاہر ہو چکی۔ یہ ہرگز ہرگز اللہ کا کچھ نہیں بگاڑ سکیں گے اور اللہ ایسے لوگوں کے اعمال برباد کر دے گا۔"[3]

اسی طرح ابولہب نے اللہ کے رسول ﷺ کے سامنے آواز بلند کی ہے اور یہ جرم بھی اعمال کو برباد کر دیتا ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

"اے ایمان والو! اپنی آوازیں نبی کی آواز سے اوپر نہ کرو اور نہ ان سے اونچی آواز سے بات کرو، جیسے آپس میں ایک دوسرے سے بات کرتے ہو، کہیں (ایسا نہ ہو کہ) تمہارے اعمال برباد ہو جائیں اور تمہیں خبر بھی نہ ہو۔"[4]

غور کیجیے کہ مذکورہ جرائم میں سے جب صرف کسی ایک کے ارتکاب سے سارے اعمال برباد ہو جاتے ہیں تو ابولہب جیسا ملعون شخص تو ان سارے جرائم کا مرتکب ہے، ایسے بھیانک مجرم کی تو پہاڑ و سمندر جیسی نیکیاں بھی برباد ہو جائیں گی، چہ جائے کہ ایک پل کی اظہارِ خوشی اسے کوئی فائدہ پہنچا سکے! معلوم ہوا کہ شریعت کی رو سے یہ ممکن ہی نہیں ہے کہ ابولہب کو اس کے کسی بھی عمل کا کوئی فائدہ پہنچ سکے، لہٰذا مذکورہ روایت صحیح ہو ہی نہیں سکتی۔

(۴) چوتھی وجہ یہ ہے کہ یہ روایت تاریخی حقیقت کے بھی خلاف ہے، کیونکہ اس میں یہ

۱ سورۃ المائدہ: ۵
۲ سورۃ محمد: ۹
۳ سورۃ محمد: ۳۲
۴ سورۃ الحجرات: ۲

مجلس التحقیق الاسلامی کے زیر اہتمام ملت اسلامیہ کا علمی اور اصلاحی مجلہ

magazine.mohaddis.com

بیان ہوا ہے کہ ابولہب نے آپ ﷺ کی پیدائش کے وقت اپنی لونڈی ثویبیہ کو آزاد کیا جبکہ تاریخی بیان یہ ہے کہ ابولہب نے ثویبیہ کو آپ ﷺ کی پیدائش کے پچاس سال کے بعد آزاد کیا، حافظ ابن عبد البرؒ لکھتے ہیں :

واعتقها أبو لهب بعد ما هاجر النبی ﷺ إلی المدینة[1]

''ابولہب نے اپنی لونڈی ثویبیہ کو آپؐ کے مدینہ ہجرت کرنے کے بعد آزاد کیا۔''

علامہ ابوالفرج عبد الرحمٰن ابن الجوزی لکھتے ہیں:

''جب آپ ﷺ نے اُمّ المؤمنین سیدہ خدیجہؓ سے شادی کی تو ثویبیہ ابھی تک لونڈی تھیں۔ وہ آپ ﷺ کے پاس آتیں اور آپ ﷺ اور اُمّ المؤمنین خدیجہؓ ان کے ساتھ حسن سلوک کرتے۔''[2]

بلکہ اُمّ المؤمنین خدیجہؓ نے جب دیکھا کہ آپ ﷺ ابولہب کی لونڈی ثویبیہ کے ساتھ حسن سلوک کرتے ہیں تو اُنہوں نے آپ ﷺ کی دل جوئی کی خاطر ابولہب سے ثویبیہ کو خرید کر آزاد کرنا چاہا، لیکن ملعون ابولہب نے اسے بیچنے سے انکار کر دیا اور جب آپ ﷺ مکہ چھوڑ کر مدینہ ہجرت کر گئے تب ابولہب نے ثویبیہ کو آزاد کیا۔[3]

اس پوری تفصیل سے معلوم ہوا کہ مذکورہ روایت تاریخی حقائق کے بھی خلاف ہے، لہٰذا یہ قطعاً صحیح نہیں۔

ثانیاً: مذکورہ خواب جس نے بھی دیکھا ہے، ظن غالب ہے کہ اسے کفر کی حالت میں دیکھا ہے اور غیر مسلم کا خواب تو درکنار شریعت میں اس کا بیان بھی حجت نہیں۔

ثالثاً: مذکورہ روایت میں جو واقعہ ہے، وہ شریعتِ اسلامیہ کے نزول سے پہلے کا واقعہ ہے اور شریعت اسلامیہ کے آنے کے بعد جب تورات، زبور اور انجیل جیسی آسمانی کتابیں ہمارے لیے حجت نہیں ہیں تو پھر ابولہب جیسے کافر و ملعون کا عمل ہمارے لیے کیسے حجت ہو سکتا ہے۔

2014

۱ الاستیعاب: ۱/ ۱۲

۲ الوفا باحوال المصطفیٰ: ۱/ ۱۷۸، ۱۷۹

۳ الطبقات: ۱/ ۱۰۹، ۱۰۸

مجلس التحقیق الاسلامی کے زیر اہتمام ملت اسلامیہ کا علمی اور اصلاحی مجلہ

magazine.mohaddis.com

رابعاً: مذکورہ روایت میں اگر میلاد کی دلیل ہوتی تو اللہ کے نبی ﷺ اور آپ کے صحابہ بھی اس پر عمل کرتے۔ عہدِ نبوی، عہدِ صحابہ اور اس کے بعد کے اَدوار میں اس پر عمل نہ ہونا اس بات کا ثبوت ہے کہ اس روایت میں 'عیدِ میلاد' کی کوئی دلیل نہیں ہے۔

غلط فہمی نمبر ۴

کہا جاتا ہے کہ آپ ﷺ پیر کے دن روزہ رکھتے تھے اور اس بارے میں آپؐ سے پوچھا گیا تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''اسی دن میری پیدائش ہوئی ہے اور اسی دن مجھے رسالت ملی ہے۔

وضاحت

اوّلاً: اس حدیث سے عیدِ میلاد کے جواز کے بجائے اس کی تردید ثابت ہوتی ہے، کیونکہ آپ ﷺ نے اس دن روزہ رکھا ہے اور اگر یہ عید کا دن ہوتا تو آپ ﷺ ہرگز ہرگز روزہ نہ رکھتے، کیونکہ عید کے دن روزہ رکھنا حرام ہے۔[1]

معلوم ہوا کہ آپ ﷺ نے اپنی پیدائش کے دن روزہ رکھا ہے، لہٰذا آپ ﷺ کی پیدائش کا دن 'عید میلاد' یا کسی بھی طرح کی عید کا دن نہیں ہو سکتا۔

ثانیاً: آپ ﷺ نے اپنی ولادت کی تاریخ (۹ یا ۱۲ ربیع الاول) کو نہیں بلکہ ولادت کے دن (پیر) کو روزہ رکھا ہے، خواہ اس دن کوئی بھی تاریخ ہو یا یہ دن کسی بھی ہفتہ یا کسی بھی مہینہ میں ہو لہٰذا جو شخص پورے سال کو چھوڑ کر صرف ایک مہینہ اور اس میں بھی صرف ایک ہی ہفتے اور اس میں بھی صرف ایک ہی دن کو اہمیت دیتا ہے تو گویا کہ وہ آپ ﷺ کی سنت کی اصلاح کر رہا ہے اور یہ بہت بڑی جسارت ہے۔

ثالثاً: آپ ﷺ نے مذکورہ حدیث میں پیر کے دن روزہ رکھنے کے دو سبب بتلائے ہیں، ایک یہ کہ آپ ﷺ اسی دن پیدا ہوئے اور دوسرا یہ کہ اس دن آپ ﷺ کو رسالت ملی، یہ دونوں چیزیں ایک ہی دن واقع ہوئی ہیں، لیکن دونوں کی تاریخ الگ الگ ہے، چنانچہ آپ ﷺ کی

1 صحیح بخاری: ۱۹۹۰

مجلس التحقیق الاسلامی کے زیر اہتمام ملت اسلامیہ کا علمی اور اصلاحی مجلہ

magazine.mohaddis.com

ولادت ۹ یا ۱۲ ربیع الاول کو ہوئی اور آپ ﷺ کو رسالت ۲۱ رمضان کو ملی، لہٰذا اگر پیدائش کی تاریخ کو 'عید میلاد' منانا چاہیے تو رسالت کی تاریخ کو 'عید رسالت' بھی منانا چاہیے بلکہ اس پر تو زیادہ زور دینا چاہیے، کیونکہ رسالت ہی آپ ﷺ کی عظمت کا سبب ہے، نیز اس کا اقرار ہمارے کلمہ کا ایک حصہ بھی ہے! اور اگر 'عیدِ رسالت' منانا درست نہیں تو 'عید میلاد' منانا بھی غیر درست ہے۔

رابعاً: آپ ﷺ صرف پیر ہی کا روزہ علیحدہ طور پر نہیں رکھتے تھے بلکہ اس کے ساتھ ساتھ جمعرات کا بھی روزہ رکھتے تھے، لہٰذا سنت کے آدھے حصّے کو اہم سمجھنا اور دوسرے آدھے کو فراموش کر دینا سنّتِ رسول کو بدلنا ہے اور یہ ناجائز ہے۔

خامساً: آپ ﷺ نے پیر کے دن روزہ رکھنے کی یہ وجہ بھی بتلائی ہے کہ اسی دن بندوں کے اعمال ربِّ جلیل کی بارگاہ میں پیش ہوتے ہیں۔[1]

ظاہر ہے کہ یہ خصوصیت پیر کے دن کو حاصل ہے نہ کہ ۱۲ ربیع الاول کی تاریخ کو، کیونکہ یہ تاریخ تو ہر سال پیر کے علاوہ دوسرے دنوں میں پڑتی رہتی ہے بلکہ بسا اوقات یہ تاریخ جمعہ کو بھی آجاتی ہے، اب جس وجہ سے آپ ﷺ پیر کا روزہ رکھتے تھے (یعنی اعمال کا بارگاہِ الٰہی میں پیش ہونا) یہ وجہ جمعہ کے دن ہرگز نہیں پائی جاتی نیز جمعہ کے دن خصوصی روزہ رکھنا بھی حرام ہے۔ اس سے واضح ہو گیا کہ آپ ﷺ روزہ رکھنے میں پیر کے دن کا اہتمام کرتے تھے نہ کہ کسی تاریخ کا، خواہ اس میں کوئی بھی دن آئے، پس دن کو چھوڑ کر تاریخ کا اہتمام کرنا سنّتِ رسول کے سراسر خلاف ہے۔

سادساً: آپ ﷺ نے اپنی پیدائش کے دن جو عمل کیا ہے، وہ ہے: ''روزہ رکھنا'' لیکن عید میلاد میں اس کے بالکل خلاف عمل ہوتا ہے۔ میلاد منانے والے نہ صرف یہ کہ روزہ نہیں رکھتے بلکہ اس دن وہ کھانے کا جو اہتمام کرتے ہیں، ایسا شاید ہی کسی اور دن ہو۔ اب سوچیے کہ یہ آپ ﷺ سے محبت ہے یا آپ ﷺ سے عداوت ہے۔

1 جامع ترمذی: ۷۴۷

مجلس التحقیق الاسلامی کے زیر اہتمام ملت اسلامیہ کا علمی اور اصلاحی مجلہ

magazine.mohaddis.com

سابعاً: مذکورہ روایت میں اگر میلاد کی دلیل ہوتی تو اللہ کے نبی ﷺ اور آپ کے صحابہ بھی اس پر عمل کرتے۔ عہد نبوی، عہد صحابہ اور اس کے بعد کے ادوار میں اس پر عمل نہ ہونا اس بات کا ثبوت ہے کہ اس روایت میں 'عید میلاد' کی دلیل نہیں ہے۔

غلط فہمی نمبر ۵

کہا جاتا ہے کہ آپ ﷺ یوم عاشورا کا روزہ رکھتے تھے اور اس کا حکم بھی فرماتے تھے، کیونکہ اس دن اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام اور ان کی قوم کو فرعون اور اس کے لشکر سے نجات دلائی تھی اور ہمیں بالاولیٰ چاہیے کہ آپ ﷺ کی ولادت کے بابرکت دن کا روزہ رکھیں۔

وضاحت

اوّلاً: اس حدیث سے بھی عید میلاد کے جواز کے بجائے اس کی تردید ثابت ہوتی ہے، کیونکہ آپ ﷺ نے موسیٰ علیہ السلام کی فتح کے دن روزہ رکھا ہے، عید نہیں منائی ہے۔ کیونکہ اگر عید مناتے تو آپ ﷺ اس دن ہرگز ہرگز روزہ نہ رکھتے، اس لیے کہ عید کے دن روزہ رکھنا حرام ہے۔[1] غور کیجیے کہ آپ ﷺ تو روزہ رکھیں اور ہم عید منائیں۔ یہ آپ ﷺ کی مخالفت نہیں تو اور کیا ہے؟

ثانیاً: آپ ﷺ نے عاشورا کے روزہ کی فضیلت میں موسیٰ علیہ السلام کی فتح کا حوالہ دیا ہے، نہ کہ موسیٰ علیہ السلام کی پیدائش کا۔ اب یوم فتح کا یوم پیدائش سے کیا تعلق؟ غور کیجیے کہ جس طرح فرعون سے نجات، موسیٰ علیہ السلام کی فتح ہے، اسی طرح فتح مکہ بھی آپ ﷺ کی عظیم فتح ہے، لیکن اس مماثلت کے باوجود بھی فتح مکہ کے دن ایسا کوئی اہتمام جائز نہیں ہے، تو پھر یوم پیدائش جس کا اس حدیث سے کوئی تعلق ہی نہیں ہے، اس کا جواز اس حدیث سے کیونکر نکل سکتا ہے؟

ثالثاً: آپ ﷺ کے عاشورا کا روزہ رکھنے کی یہ وجہ نہیں تھی کہ اس دن موسیٰ علیہ السلام کی فتح ہوئی ہے بلکہ آپ ﷺ مکہ میں شروع ہی سے عاشورا کا روزہ رکھتے چلے آرہے تھے، البتہ جب

1 صحیح بخاری: ۱۹۹۰

مجلس التحقیق الاسلامی کے زیر اہتمام ملت اسلامیہ کا علمی اور اصلاحی مجلہ

magazine.mohaddis.com

مدینہ پہنچ کر آپ ﷺ کو معلوم ہوا کہ یہود بھی اس دن روزہ رکھتے ہیں تو آپ ﷺ نے اس کا تاکیدی حکم صادر فرما دیا اور جب رمضان کے روزے فرض ہوئے تو یہ حکم بھی منسوخ ہو گیا، البتہ اس کے استحباب کو آپ ﷺ نے باقی رکھا۔[1]

معلوم ہوا کہ عاشورا کے روزہ کی اصل وجہ موسیٰ علیہ السلام کی فتح نہیں تھی، البتہ آپ ﷺ نے اس روزہ کی فضیلت میں یہ بات بھی شامل کر لی تھی۔

رابعاً: آپ ﷺ نے صحابہ رضی اللہ عنہم کے مشورے پر یہ تعلیم بھی دی کہ یوم عاشورا کے ساتھ ساتھ ایک دن کا روزہ اور رکھا جائے تاکہ یہود کی مشابہت نہ ہو۔[2]

غور کیجیے کہ جب اس حدیث میں مذکور اصل سنت ایک دن کی نہیں ہے تو اس حدیث سے ایک روزہ عید میلاد کا ثبوت کہاں سے نکل سکتا ہے جس کا اس حدیث سے کوئی تعلق بھی نہیں ہے۔

خامساً: دلچسپ بات یہ ہے کہ مذکورہ حدیث میں جو اصل تعلیم ہے وہ ہے عاشورا کے دن روزہ رکھنا، لیکن افسوس ہے کہ میلاد منانے والوں نے بڑی بے دردی سے اس سنت کا گلا گھونٹ دیا ہے، چنانچہ جب محرم میں عاشورا کا یہ دن آتا ہے تو یہ لوگ اس دن روزہ رکھنے کے بجائے کھانے پینے کا کچھ زیادہ ہی اہتمام کرتے ہیں بلکہ لوگوں کو پکڑ پکڑ کر شربت پلاتے ہیں اور اس دن انہیں یہ حدیث یاد نہیں آتی، بلکہ یاد دلانے پر بھی اس طرف متوجہ نہیں ہوتے، لیکن حیرت ہے کہ ربیع الاول کے مہینے میں یہی حدیث اُن کی نظر میں بہت اہم ہو جاتی ہے، حالانکہ اس مہینے سے اس حدیث کا کوئی تعلق ہی نہیں ہے! سوال یہ ہے کہ جن کی نظر میں مذکورہ حدیث کی اصل تعلیم قابل عمل نہیں ہے، وہ اسی حدیث سے دیگر چیزیں ثابت کرنے کی جرات کیسے کرتے ہیں۔

سادساً: مذکورہ روایت میں اگر میلاد کی دلیل ہوتی تو اللہ کے نبی ﷺ اور آپ کے صحابہ بھی اس پر عمل کرتے۔ عہد نبوی، عہد صحابہ اور اس کے بعد کے اَدوار میں اس پر عمل نہ ہونا اس بات کا ثبوت ہے کہ اس روایت میں 'عید میلاد' کی دلیل نہیں ہے۔

2014

۱ صحیح بخاری: ۲۰۰۲؛ ۲۰۰۴

۲ صحیح مسلم: ۱۳۳۴

مجلس التحقیق الاسلامی کے زیر اہتمام ملت اسلامیہ کا علمی اور اصلاحی مجلہ

magazine.mohaddis.com

حسنین شاکر زبیری[1]

کرسمس کی حقیقت اور اسے منانے کی شرعی حیثیت

﴿ قُلْ يٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ لَا تَغْلُوْا فِيْ دِيْنِكُمْ غَيْرَ الْحَقِّ وَ لَا تَتَّبِعُوْۤا اَهْوَآءَ قَوْمٍ قَدْ ضَلُّوْا مِنْ قَبْلُ وَ اَضَلُّوْا كَثِيْرًا وَّ ضَلُّوْا عَنْ سَوَآءِ السَّبِيْلِ۠ ﴾[2]

''کہو کہ اے اہل کتاب! اپنے دین میں ناحق مبالغہ نہ کرو اور ایسے لوگوں کی خواہش کے پیچھے نہ چلو جو (خود) پہلے گمراہ ہوئے اور بہت سے دوسرے لوگوں کو بھی گمراہ کر گئے اور سیدھے راستے سے بھٹک گئے۔''

جس طرح اہل کتاب میں سے یہود نے فرعونِ مصر اور بابل کے فرماں روا بخت نصر کی غلامی میں ذہنی طور پر مغلوب اور متاثر ہو کر مصر و بابل میں ایمان بالجبت یعنی جادو سیکھا اور اسیریٔ بابل (Babylonish Captivity) کے زمانہ میں فارس کے اہرمن پرستوں سے 'ایمان بالطاغوت' یعنی شیطان پرستی کا درس لیا۔ بالکل اسی طرح عیسائیوں نے یونانیوں (Greeks)، رومیوں (Romans)، طیوتانیوں (Tutains) اور دیگر مشرک (Pagan) اقوام سے بہت سی بدعات مستعار لیں۔ مثلاً عید میلاد المسیح (Christmas)، عید قیامۃ المسیح (Easter)، بپتسمہ (Baptism) اور صلیب (Cross) وغیرہ۔

تورات وانجیل جیسی نور و ہدایت سے لبریز اور وحیٔ الٰہی پر مشتمل کتب سے پہلو تہی کرنے اور انبیاے کرام علیہم السلام کی سیدھی سادی اور سچ پر مبنی تعلیمات کو پس پشت ڈالنے کی پاداش میں اللہ ربّ العزت نے نسل پرستی اور قومی تفاخر میں مبتلا اس قوم کو ذہنی طور پر دیگر اقوام کا غلام بنا دیا۔ اسی ذہنی و فکری غلامی کا سبب تھا کہ اُنہوں نے دیگر اقوام کی رسومات کو اپنایا اور انبیا کی روشن ہدایات کو ترک کر کے ان بدعات کو اپنے مذہب کا شعار بنایا

1. مدیر معاون سہ ماہی 'المکرم'، گوجرانوالہ
2. سورۃ المائدۃ: ۷۷

مجلس التحقیق الاسلامی کے زیر اہتمام ملت اسلامیہ کا علمی اور اصلاحی مجلہ

magazine.mohaddis.com

اور صراطِ مستقیم کو چھوڑ کر شیطان کے رستوں کے راہی بنے اور گمراہ ٹھہرے۔ عیسائیوں کی دیگر اقوام سے اخذ کردہ بدعات میں سے ایک اہم بدعت 'کرسمس' ہے جس کے متعلق کچھ معروضات ذیل میں حوالہ قرطاس کی جارہی ہیں:

کرسمس کا مفہوم

کرسمس کے مفہوم کے متعلق کچھ عیسائی محققین کی تحقیقات کے اقتباسات و شذرات ملاحظہ فرمایئے:

- انڈریوس یونیورسٹی کے شعبہ 'دینیات و تاریخ کلیسا' کے پروفیسر ڈاکٹر سموئیل بیکیاسکی کرسمس کے مفہوم کے متعلق لکھتے ہیں:

> ''کرسمس کا لفظ بائبل میں موجود نہیں ہے۔ یہ اصطلاح دو الفاظ Christ یعنی مسیح اور Mass یعنی کیتھولک رسم کو ملا کر بنائی گئی ہے جس کا مفہوم ہے کہ ایسی کیتھولک رسم جو ۲۵ دسمبر کی رات کو مسیح کی ولادت کے دن کی یاد میں منائی جاتی ہے۔ حیرت کی بات یہ ہے کہ 'عہد نامہ جدید' میں مسیح کی ولادت کو ہر سال بحیثیتِ تہوار منانے کا اشارہ تک نہیں ہے۔ اناجیل میں مسیح کی ولادت کا تذکرہ انتہائی مختصر ہے اور گنتی کی چند آیات پر مشتمل ہے۔''[1]

- پروفیسر ہربرٹ ڈبلیو آرم سٹرانگ کرسمس کے مفہوم کے متعلق رقم طراز ہیں کہ

> ''لفظ کرسمس کا مطلب مسیح کی رسم ہے۔ یہ تہوار غیر عیسائی مشرکوں اور پروٹسٹینٹز کے ذریعے رومن کیتھولک چرچ میں رائج ہوا ہے اور سوال ہے کہ اُنہوں نے اسے کہاں سے لیا ہے؟ عہد نامہ جدید سے نہیں، بائیبل سے نہیں... اور نہ ہی ان مستند حواریوں سے جو مسیحؑ کے تربیت یافتہ تھے بلکہ یہ تہوار چوتھی صدی عیسوی میں بت پرست اقوام کی طرف رومن سے کیتھولک کلیسا میں آیا۔''[2]

The Date & Meaning of Christmas by Dr. Samuele Bacchiocchi, p.08
The Plain Truth about Christmas by Pr. Hwrbert W Armstrong, p.02

مجلس التحقیق الاسلامی کے زیر اہتمام ملت اسلامیہ کا علمی اور اصلاحی مجلہ

magazine.mohaddis.com

کرسمس کا تعین

۲۵ دسمبر کا دن دنیا بھر کی عیسائی اقوام میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا یوم پیدائش 'عید میلاد المسیح' یعنی کرسمس کے نام سے انتہائی تزک واحتشام سے منایا جاتا ہے۔ لیکن خوش قسمتی سے عیسائیوں میں کچھ حقیقت پسند مکاتب فکر تاحال موجود ہیں جو یہ تسلیم کرتے ہیں کہ ۲۵ دسمبر حضرت مسیحؑ کی ولادت کا دن نہیں بلکہ دیگر بت پرست اقوام سے لی گئی بدعت ہے۔ فقط یہی نہیں بلکہ تاریخ کلیسا میں کرسمس کی تاریخ کبھی ایک سی نہیں رہی ، کیونکہ جناب عیسیٰؑ کا یوم پیدائش کسی بھی ذریعے سے قطعیت سے معلوم نہیں۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا دورِ حیات اور آپ علیہ السلام کے بعد آپ کے حواری برسوں تک کسمپرسی کی حالت میں رہے۔ رومیوں اور یہودیوں کے مظالم سے چھپتے پھرتے تھے اور عیسائیت کو عام ہونے میں ایک صدی لگی۔

رومن سلطنت کے عیسائیت کو قبول کرنے سے قبل اس خطے میں رومی کیلنڈر رائج تھا۔ سلطنتِ روما کے قیام سے ہی اس کیلنڈر کا آغاز ہوتا ہے۔ چھٹی صدی عیسوی کے راہب ڈائیونیزیوس(Dionysius Exiguus 470-544 AD)کا کہنا ہے کہ ولادتِ مسیح رومن کیلنڈر کی ابتدا کے ۵۳۷ سال بعد ہوئی۔ سن عیسوی کا قیام صدیوں بعد رومن کلیسا نے کیا۔ البتہ میلاد المسیح کو بحیثیتِ عید منانے کا رواج حضرت عیسیٰ اور آپ کے حواریوں کے دور سے کافی عرصہ بعد شروع ہوا۔ دوسری صدی میں پاپائے اعظم ٹیلیس فورس نے اس بدعت کو باقاعدہ طور پر منانے کا اعلان کیا ، لیکن اس وقت کرسمس کی کوئی متعین تاریخ نہ تھی۔ اسکندریہ مصر میں اسے ۲۰ مئی کو منایا جاتا تھا۔ اس کے بعد ۲۰،۱۹اور ۲۱ اپریل کو منایا جانے لگا۔ کچھ خطے اسے مارچ میں بھی مناتے تھے۔

- انسائیکلوپیڈیا Britannica میں کرسمس ڈے آرٹیکل کے مطابق ۵۲۵ء میں سیتھیا کے راہب ڈائیونیزیوس(Dionysius Exiguus 470-544 AD)جو کہ ایک پادری ہونے کے ساتھ ساتھ ایک ماہر کیلنڈر نگار بھی تھا،اس نے اپنے اندازے کے

مجلس التحقیق الاسلامی کے زیر اہتمام ملت اسلامیہ کا علمی اور اصلاحی مجلہ

magazine.mohaddis.com

مطابق حضرت مسیح علیہ السلام کی تاریخ ولادت ۲۵ دسمبر مقرر کی ہے۔"

یہ بات درست ہے کہ ڈائیونیزیوس ایک مشہور تقویم نگار تھا، اس نے Anno Domini یعنی عیسوی کیلنڈر بھی ۵۲۵ء میں متعارف کروایا تھا مگر انسائیکلوپیڈیا ویکی پیڈیا کے مقالہ نگار کے مطابق جدید تحقیق کی روشنی میں یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ اس مشہور تقویم نگار نے کبھی یہ دعویٰ نہیں کیا کہ حضرت مسیح کی تاریخ ولادت ۲۵ دسمبر ہے۔[1]

بازنطینی بادشاہ کانسٹنٹائن (Constantine the Great 272-373AD) نے اس تاریخ کو عالمی طور پر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ولادت کا دن مقرر کیا۔

چوتھی صدی عیسوی سے اب تک کرسمس کا تہوار دنیا بھر میں ۲۵ دسمبر کو ہی منایا جا رہا ہے۔ لیکن عیسائی فرقہ آرتھوڈکس جو گریگوری کیلنڈر کو ہی معتبر مانتا ہے، وہ کرسمس ۷ جنوری کو مناتے ہیں اور آج بھی ایسے خطے جہاں آرتھوڈکس کی اکثریت ہے، وہاں کرسمس ۷ جنوری کو ہی منایا جاتا ہے جن میں روس، آرمینیا، مشرقی تیمور، فلپائن، شام اور بھارت کی ریاست کیرالہ بھی شامل ہیں۔ جبکہ بعض خطے ایسے بھی ہیں جہاں کے عیسائی ۶ جنوری اور ۱۸ جنوری کو کرسمس مناتے ہیں۔

انجیل اور ولادتِ مسیح علیہ السلام کا تعین

آیئے! اب اناجیل متداولہ میں سے سیدنا مسیح علیہ السلام کی ولادت کے متعلق آیات کا جائزہ لیتے ہوئے ولادت مسیح علیہ السلام کا تعین کرتے ہیں۔ انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا کے مقالہ نگار اناجیل کے بیانات میں سے یہ نتیجہ اخذ کرتے ہیں کہ

"یسوع کی پیدائش غیر یقینی ہے۔ مرقس اور یوحنا اپنی انجیل میں ان کے بارے میں کچھ نہیں لکھتے۔ ہماری معلومات کے ذرائع صرف یسوع مسیح کی پیدائش اور بچپن کے وہ از حد متضاد بیانات ہیں جن میں ایک طرف تو انجیل متی کے پہلے دو ابواب کی وہ افسانوی کہانی ہے جس میں یسوع کی پیدائش اور بچپن کو ہیروڈ

1 Wikipedia, the free encyclopedia: Dionysius Exiguus

مجلس التحقیق الاسلامی کے زیر اہتمام ملت اسلامیہ کا علمی اور اصلاحی مجلہ

magazine.mohaddis.com

اول(Herod the Great 74-4 BC) کے عہد اور اس کی حکومت بدلنے یعنی چار قبل مسیح سے منسوب کیا گیا ہے۔اور دوسری طرف انجیل لوقا کے دوسرے باب کے مطابق یسوع کی پیدائش شہنشاہ آگسٹس (Augustus) کے عہد میں یہودیہ میں ہونے والی مردم شماری یعنی ۶ عیسوی سے منسوب کی گئی ہے۔

اس بیان میں یہ بات از حد اہم ہے کہ ہیروڈ بادشاہ جس کے عہد انجیل میں یسوع کی پیدائش بیان کی گئی ہے، درحقیقت یسوع کے پیدا ہونے سے چار یا دس برس قبل مر چکا تھا۔ انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا کے اس حقیقت پر مبنی بیان کی جانچ قارئین، اناجیل متی و لوقا کی تحریروں سے خود کر سکتے ہیں۔انجیل لوقا کے دوسرے باب میں سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کی یوم ولادت کے ماحول کے متعلق کچھ اس طرح بیان کیا گیا ہے:

"تو اس کے وضع حمل کا وقت آپہنچا۔اور اس کا پہلوٹھا پیدا ہوا اور اس نے اسے کپڑے میں لپیٹ کر چرنی میں رکھا، کیونکہ ان کے لیے سرائے میں جگہ نہ تھی۔اسی علاقے میں چرواہے تھے جو رات کو میدان میں رہتے اور اپنے گلے کی نگہبانی کرتے تھے۔"

- بائبل کے مشہور مفسر آدم کلارک اس آیت کے متعلق اپنی شہرہ آفاق تفسیر میں یوں وضاحت کرتے ہیں کہ

"مسیح علیہ السلام کی پیدائش ستمبر یا اکتوبر کے ایام میں ہونے کی بالواسطہ تائید اس حقیقت سے بھی ملتی ہے کہ نومبر سے فروری تک چرواہے رات کے وقت کھیتوں میں اپنے ریوڑ کی نگہبانی نہیں کرتے بلکہ ان مہینوں میں رات کے وقت وہ انہیں حفاظتی باڑوں میں لے جاتے ہیں جنہیں Sheepfold یعنی بھیڑوں کا حفاظتی باڑہ کہتے ہیں۔اس لیے ۲۵/دسمبر حضرت مسیح علیہ السلام کی پیدائش کے لیے انتہائی نامناسب تاریخ ہے۔"[1]

- انجیل لوقا کی مذکورہ بالا آیت کے بارے میں پروفیسر ایچ ڈبلیو آرم سٹرانگ اپنے تحقیقی مقالے میں لکھتے ہیں:

1 Commentary on Gospel of Luke by Adam Clark, 5/370, New York Ed.

مجلس التحقیق الاسلامی کے زیر اہتمام ملت اسلامیہ کا علمی اور اصلاحی مجلہ

magazine.mohaddis.com

"یسوع سردی کے موسم میں پیدا نہیں ہوئے تھے، کیونکہ جب یسوع علیہ السلام پیدا ہوئے تو اس علاقے میں چرواہے تھے جو رات کو میدان میں رہتے اور اپنے گلہ بانی کی حفاظت کرتے تھے۔ دسمبر کے مہینے میں یہودیہ کے علاقے میں ایسا نہیں ہو سکتا۔ چرواہے ہمیشہ اپنے ریوڑ کو پہاڑی علاقوں اور کھیتوں میں لے جاتے اور ۱۵ اکتوبر سے پہلے پہلے انہیں ان کے حفاظتی باڑوں میں بند کر دیتے تھے تاکہ انہیں سردی اور برسات کے موسم سے بچایا جا سکے جو کہ ۲۵ اکتوبر کے بعد شروع ہو جاتا تھا۔ یاد رکھیے کہ بائبل خود اس کا ثبوت دیتی ہے کہ سردی برسات کا موسم تھا جو چرواہوں کو کھلے کھیتوں میں رات بسر کرنے کی اجازت نہیں دیتا تھا۔"[1]

- آدم کلارک (Adam Clarke 1760–1832) لکھتے ہیں کہ

"یہ یہودیوں کا قدیم رواج تھا کہ عید فصیح کے مہینے (نیساں یعنی اپریل) میں اپنی بھیڑ بکریوں کو باہر کھیتوں اور میدانوں میں بھیج دیتے اور برسات کے شروع میں ہی انہیں گھر واپس لے آتے۔"[2]

- پروفیسر اے ٹی رابرٹسن ولادت مسیح علیہ السلام کے تعین کے سلسلے میں بیان کرتے ہیں:

"اگر مسیح علیہ السلام کی تبلیغ تب شروع ہوئی جب آپ تیس سال کی عمر کے تھے اور ساڑھے تین سال میں عید فصیح کے موقع پر آپ کی وفات پر اختتام پذیر ہوئی تو محتاط طریقے سے ماضی میں واپس لوٹتے ہوئے ۲۵ دسمبر کی بجائے ہم ستمبر یا اکتوبر کے مہینوں میں پہنچتے ہیں۔"[3]

- انجیل لوقا میں سیدنا مسیح کی ولادت کو قیصر آگسٹس کے عہدِ حکومت میں ہونیوالی مردم شماری سے بھی منسوب کیا گیا ہے۔ انجیل لوقا کے دوسرے باب کا آغاز یوں ہوتا ہے:

"ان دنوں میں ایسا ہوا کہ قیصر آگسٹس کی طرف سے یہ حکم جاری ہوا کہ ساری

2014

1 The Plain Truth about Christmas by Pr. H W Armstrong, p. 03, USA 1952 Ed.
2 Commentary on Gospel of Luke by Adam Clark, 5/370, New York Ed.
3 A Harmony of the Gospels by Pr. A. T Robertson p.267, New York ed. 1992

مجلس التحقیق الاسلامی کے زیر اہتمام ملت اسلامیہ کا علمی اور اصلاحی مجلہ

magazine.mohaddis.com

مملکت کے لوگوں کے نام لکھے جائیں یہ پہلی اسم نویسی سوریہ کے حاکم کورنیس کے عہد میں ہوئی اور سب لوگ نام لکھوانے اپنے اپنے شہر کو گئے۔"[1]

- عیسائیت کے مشہور مؤرخ 'بارنی کاسدان' اور 'انڈریوس یونیورسٹی' کے پروفیسر ڈاکٹر سموئیل دونوں رومیوں کی مردم شماری کے متعلق اپنی اپنی تحقیقی کتب میں یہ ریمارکس دیتے ہیں:

"یروشلم سے بیتِ لحم صرف چار میل کے فاصلے پر ہے۔ رومی لوگ اپنے مقبوضہ علاقوں میں رائج رسم ورواج کے دوران یعنی کسی تہوار کے موقع پر لوگوں کی مردم شماری کرنے میں مشہور تھے۔ چنانچہ بنی اسرائیل کے معاملے میں اُنہوں نے اپنے صوبوں کے لوگوں کی رپورٹ لینے کے لیے ایسا وقت اختیار کیا جو اُن کے لیے آسان اور مناسب ہو۔ سردیوں کے عین وسط میں لوگوں کو مردم شماری (جو کہ ٹیکس عائد کرنے اور وصول کرنے کے لئے کی گئی تھی) بلانا غیر مناسب اور غیر منطقی سی بات ہے بلکہ زوال پذیر حالات میں ٹیکس عائد کرنے کا موزوں اور منطقی وقت فصلوں کی کٹائی کے بعد کا وقت ہی ہو گا کہ جب لوگ کٹائی کے بعد اپنے ٹیکس اپنے ہاتھوں میں لیے ہوئے ہوں۔"[2]

- انجیل لوقا کے دوسرے باب کی چھٹی اور ساتویں آیات کا بیان ہے:

"اور اس کا پہلوٹھا بیٹا پیدا ہوا اور اُس نے اسے کپڑے میں لپیٹ کر چرنی میں رکھا۔ کیونکہ ان کے لیے سرائے میں جگہ نہ تھی۔"

گزشتہ بیان کے مطابق سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کے یومِ ولادت کے سلسلے میں دو اہم نکات سامنے آتے ہیں:

اوّل: مریم علیہا السلام نے بچے کو جنم دے کر چرنی میں ڈال دیا... اس کے متعلق میں

1 انجیل لوقا: ۲/۱، ۳

2 God's Appointed Times by Barney Kasdan ,Baltimore MD, 1992 p.97; The Date & Meaning of Christmas by Dr. Samuele Bacchiocchi, p.08

مجلس التحقیق الاسلامی کے زیر اہتمام ملت اسلامیہ کا علمی اور اصلاحی مجلہ

magazine.mohaddis.com

آپ کی عقل سلیم کو فیصل عدل قرار ٹھہراتا ہوں کہ اگر یہ دسمبر کا مہینہ ہوتا (گزشتہ بیانات سے یہ بات پایہ ثبوت کو پہنچ چکی ہے کہ دسمبر فلسطین کے صوبہ یہودیہ میں مسلسل بارشوں اور سخت سردی کا مہینہ تھا) تو کس طرح سیدہ مریم علیہا السلام باہر جا سکتی تھیں؟ اور ننھے عیسیٰ علیہ السلام کو اپنے پہلو میں رکھ کر مامتا کی حدّت دینے کی بجائے وہ کس طرح اسے چرنی میں رکھ سکتی تھیں؟

دوم: ان کے لئے سرائے میں جگہ نہ تھی... ڈاکٹر سموئیل کی تحقیق کے مطابق

"اس آیت کا تعلق نہ صرف رومن عہد میں ہونے والی مردم شماری کے ساتھ ہے بلکہ یہودیوں کے تہوار سکّوتھ (Feast of Tabernacle) کے ساتھ بھی ہے جو کہ یہودیوں کے لئے سال کا آخری اور انتہائی اہم زیارتی تہوار ہے۔ اسے Feast of Booths یعنی عارضی سائبانوں کا میلہ اور 'عیدِ خیام' بھی کہا جاتا ہے۔ اس تہوار کے موقع پر لوگ مقدّس مقامات کی زیارت کے لیے آتے جاتے تھے۔ اسی وجہ سے "سرائے میں ان کے لیے جگہ نہ تھی۔" اور یہ تہوار یہودی عید کپور کے پانچ دن بعد ۱۵ تشرین یعنی ستمبر کے ماہ میں منایا جاتا ہے۔"[2]

ثانوی حیثیت کی مقدس متروک اناجیل میں سے ایک انجیل متّی بھی ہے جو دراصل عبرانی میں لکھی گئی تھی۔ بعد میں سینٹ جیروم نے اسے لاطینی زبان میں منتقل کر دیا۔ یہ انجیل سیدہ مریم کی پیدائش سے حضرت عیسیٰ کے لڑکپن تک کے واقعات کو قدرے تفصیل سے بیان کرتی ہے۔ اس میں بھی حضرت عیسیٰ کی ولادت کے موسم کے متعلق بڑی واضح دلیل ملتی ہے کہ یہ سردی کا موسم نہیں بلکہ گرمی کا موسم تھا۔ اس انجیل کے مطابق "سیدنا مسیح کی ولادت سے چند دن بعد سیدہ مریم اپنے خاوند یوسف نجّار کے ہمراہ بیتِ لحم سے مصر کو اس لیے روانہ ہوئیں کہ کہیں ہیرودیس بادشاہ ننھے عیسیٰ کو قتل نہ کر دے۔ اس سفر کے تیسرے دن جب وہ ایک صحرا سے گذر رہے تھے تو صحرا کی تپش

2014

۱ لوقا ۲:۷

2 The Date & Meaning of Christmas by Dr. Samuele Bacchiocchi, p.08

مجلس التحقیق الاسلامی کے زیر اہتمام ملت اسلامیہ کا علمی اور اصلاحی مجلہ

magazine.mohaddis.com

اور سورج کی چلچلاتی دھوپ نے اُنہیں نڈھال کر دیا۔ وہ اور اُن کے جانور پیاسے بھی تھے۔ وہ ایک کھجور کے درخت کے سائے میں کچھ دیر آرام کرنے کے لیے رکے۔ اور وہ درخت پھل سے لدا ہوا تھا۔"[1]

مندرجہ بالا تمام دلائل و قرائن سے یہ بات روزِ روشن کی طرح عیاں ہو جاتی ہے کہ سیدنا مسیح علیہ السلام کی ولادت انجیل کے مطابق سردیوں کے موسم کی بجائے گرمیوں میں ہوئی تھی۔

قرآن کریم اور ولادتِ عیسیٰ علیہ السلام کا تعین

- قرآنِ کریم میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ولادت کے متعلق سورہ مریم کے دوسرے رکوع میں بالتفصیل تذکرہ ہوا ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿ فَحَمَلَتْهُ فَانْتَبَذَتْ بِهٖ مَكَانًا قَصِيًّا ۝ فَاَجَآءَهَا الْمَخَاضُ اِلٰى جِذْعِ النَّخْلَةِ ۚ قَالَتْ يٰلَيْتَنِيْ مِتُّ قَبْلَ هٰذَا وَكُنْتُ نَسْيًا مَّنْسِيًّا ۝ ﴾[2]

"تو وہ اس (بچے) کے ساتھ حاملہ ہو گئیں اور اُسے لیکر ایک دُور کی جگہ چلی گئیں پھر دردِ زہ اُن کو کھجور کے تنے کی طرف لے آیا۔ کہنے لگیں کہ کاش میں اس سے پہلے مر چکی ہوتی اور بھولی بسری ہو گئی ہوتی۔"

- اس کے بعد سیدہ مریم علیہا السلام کو بارگاہِ ایزدی سے یہ فرمان صادر ہوتا ہے:

﴿ فَنَادٰىهَا مِنْ تَحْتِهَآ اَلَّا تَحْزَنِيْ قَدْ جَعَلَ رَبُّكِ تَحْتَكِ سَرِيًّا ۝ وَهُزِّيْٓ اِلَيْكِ بِجِذْعِ النَّخْلَةِ تُسٰقِطْ عَلَيْكِ رُطَبًا جَنِيًّا ۝ فَكُلِيْ وَاشْرَبِيْ وَقَرِّيْ عَيْنًا ۚ ﴾[3]

"اس وقت اُن کے نیچے کی جانب سے فرشتے نے اُن کو آواز دی کہ غم ناک نہ ہو تمہارے ربّ نے تمہارے نیچے ایک چشمہ جاری کر دیا ہے۔ اور کھجور کے تنے کو پکڑ کر اپنی طرف ہلاؤ تم پر تازہ تازہ کھجوریں جھڑ پڑیں گی۔ تو کھاؤ اور پیو اور آنکھیں ٹھنڈی کرو۔"

1 The Gospel of Pseudo-Matthew ch. # 20, Ante-Nicene Fathers, Vol. 8, 1886 ed.

۲ سورۃ مریم: ۲۲،۲۳

۳ سورۃ مریم: ۲۴،۲۵

مجلس التحقیق الاسلامی کے زیر اہتمام ملت اسلامیہ کا علمی اور اصلاحی مجلہ

magazine.mohaddis.com

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے جائے پیدائش کے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«صليت ببيت لحم حيث ولد عيسى»[1]

''میں نے بیت اللحم میں نماز پڑھی، جہاں عیسیٰ علیہ السلام پیدا ہوئے تھے۔''

مذکورہ بالا آیات میں محل شاہد آیت نمبر ۲۵ ہے جس میں کھجور کے تنے کو ہلانے اور تروتازہ کھجوریں گرنے کا ذکر ہے۔ مندرجہ بالا آیات کو بغور پڑھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ جب حضرت مریم علیہا السلام کو دردِزہ کی تکلیف ہوئی تو اللہ تعالیٰ نے ان کو ہدایت کی کہ کھجور کے تنے کو ہلا تاکہ اُن پر تازہ پکی کھجوریں گریں اور وہ اُن کو کھائیں اور چشمے کا پانی پی کر طاقت حاصل کر سکیں۔

اب توجہ طلب بات یہ ہے کہ فلسطین میں موسم گرما کے وسط یعنی جولائی اور اگست میں ہی کھجوریں پکتی ہیں۔ اس سے بھی یہ امر واضح ہو جاتا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ولادت جولائی یا اگست کے کسی دن ہوئی تھی۔ بہر حال ۲۵/ دسمبر کی تاریخ سراسر غلط ہے۔

- قطع نظر اس بحث سے کہ یہ کھجوروں والا معاملہ سیدہ مریم علیہا السلام کی کرامت تھی یا نہیں، ان آیات کا ظاہری سیاق وسباق یہ بتاتا ہے کہ وہ درخت پھل دار تھا۔ علامہ محمد امین شنقیطیؒ نے اپنی شہرہ آفاق تفسیر میں لکھا ہے کہ

وقال بعض العلماء: كانت النخلة مثمرة، وقد أمر الله بهزمها ليتساقط لها الرطب الذي كان موجودًا[2]

''بعض علما نے یہ کہا: وہ کھجور کا درخت پھل دار تھا، اسی لیے اللہ تعالیٰ نے سیدہ مریم علیہا السلام کو اسے ہلانے کا حکم دیا تاکہ یہ درخت اپنی تروتازہ کھجوریں سیدہ مریم کے لیے گرا دے جو کہ موجود تھیں۔''

- اس سلسلے میں کسی اہل دل نے کیا خوب کہا کہ

ألم تر أن الله أوحى لمريم وهزي إليك الجذع ليساقط الرطب ولو

2014

۱ سنن النسائی: ۴۵۱، سندہ حسن

۲ اضواء البیان فی ایضاح القرآن بالقرآن از شنقیطی: ۴/ ۱۹۰

مجلس التحقیق الاسلامی کے زیر اہتمام ملت اسلامیہ کا علمی اور اصلاحی مجلہ

magazine.mohaddis.com

شاء أحنى الجذع من غير هزه إليها ولكن كل شيء له سبب

''کیا تم نے اس نکتے کی طرف توجہ نہیں کی کہ اللہ نے مریم علیہا السلام کو یہ وحی کی کہ تنے کو اپنی طرف ہلاؤ تو وہ کھجوریں گرائے گا۔ اگر اللہ چاہتے تو بغیر ہلانے کہ تنا اُن کی طرف جھک جاتا، لیکن ہر ایک چیز کا کوئی ظاہری سبب تو ہوتا ہی ہے۔''

کرسمس ۲۵/ دسمبر کو کیوں؟

اسلام اور عیسائیت کے گزشتہ دلائل سے یہ بات پایہ ثبوت کو پہنچ چکی ہے کہ سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کا یوم پیدائش دسمبر تو کجا سردیوں کے موسم میں بھی نہیں ہے تو یہاں ایک انتہائی اہم سوال ہر قاری کے حاشیہ خیال میں اُبھرا ہو گا کہ اگر قرآن کریم اور انجیل مقدس کے یہ دلائل مبنی بر حقیقت ہیں تو پھر ۲۵ دسمبر کو بحیثیت عید میلاد المسیح کیوں متعین کیا گیا؟

➢ انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا کے مایہ ناز مقالہ نگار، شمالی کیلفورنیا کے شہر درہم کی ڈیوک یونیورسٹی کے شعبہ 'تاریخ و دینیات' کے پروفیسر ڈاکٹر ہانس جے ہلر برانڈ 'کرسمس ڈے' کے متعلق ریمارکس دیتے ہوئے اس سوال کا جواب یوں دیتے ہیں:

''ابتدائی عیسائی لوگ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی یوم پیدائش اور اس موقع کو بحیثیت تہوار منانے کے درمیان فرق کیا کرتے تھے۔ در اصل ولادت مسیح کو منانے کی رسم بہت بعد میں آئی۔ بالخصوص عیسائیت کی ابتدائی دو صدیوں کے دوران شہدا یا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے یوم پیدائش کو بحیثیتِ تہوار منانے کے لیے شناخت کرنے کے متعلق ابتدائی عیسائیوں کی طرف سے انتہائی مضبوط مخالفت موجود تھی۔ بہت سے چرچ فادرز نے یوم ولادت کو منانے کی پاگان (مشرکانہ) رسم کے متعلق طنز آمیز تبصرے پیش کیے۔''

۲۵/ دسمبر کو ولادتِ مسیح کے طور پر مقرر کرنے کا باقاعدہ آغاز بالکل غیر واضح ہے۔ عہد نامہ جدید میں اس بارے میں کوئی سراغ نہیں ملتا۔ اس دن کی بنیاد کے متعلق ایک ہمہ گیر وضاحت یہ ہے کہ ۲۵/ دسمبر در حقیقت پاگان (مشرک) روم کے تہوار "Dies Solis Invicti Nati" (یعنی نامغلوب ہونے والے سورج دیوتا کا یوم پیدائش) کی عیسائی شکل تھی۔ جو

.2014

مجلس التحقیق الاسلامی کے زیر اہتمام ملت اسلامیہ کا علمی اور اصلاحی مجلہ

magazine.mohaddis.com

کہ رومن سلطنت میں ایک مشہور مقدس دن تھا جسے سورج دیوتا کی حیاتِ نو کی علامت کے طور پر انقلاب شمسی کے دوران منایا جاتا تھا۔"[1]

- اسی طرح ریاست کیلیفورنیا کے دوسرے شہر بیرکلے کے معروف ادارے چرچ ڈیوینٹی سکول آف پیسیفک کے امریطس پروفیسر ربی میسی ایچ شیفرڈ بھی انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا میں "Church Year" کے عنوان سے تحریر کردہ اپنے مقالے میں سابقہ بیان کی تائید کچھ یوں کرتے ہیں :

"بہت سے لوگ اس نظریے کو قبول کر چکے ہیں کہ میلاد المسیح کا تہوار در حقیقت 'راستی کے سورج دیوتا' کا یوم پیدائش ہے۔ جو کہ روم اور شمالی افریقہ میں عیسائیت کے حریف کے طور پر اور 'نہ مغلوب ہونے والے سورج دیوتا' کے مشرکانہ (Pagan) تہوار کی حیثیت سے سردیوں کے انقلابِ شمسی (جب سورج اپنے سفر کے انتہائی مقام یا خط استوا سے انتہائی دور ہوتا ہے یعنی ۲۱ دسمبر اور اس کے بعد کے کچھ ایام) کے موقع پر منایا جاتا ہے۔"[2]

- کیتھولک انسائیکلوپیڈیا میں بھی "Christmas" کے عنوان کے تحت یہ اعترافِ حقیقت کچھ اس طرح موجود ہے:

"عید میلاد المسیح قدیم عیسائی کلیسا کے ابتدائی مقدس تہواروں میں سے نہ تھی بلکہ اس تہوار کا اوّلین ثبوت مصر کے فرعونوں سے ملتا ہے۔ عیسائیت کے اثر و رسوخ سے قبل یورپ خصوصاً روم اور اس کے ماتحت علاقوں میں مشرکانہ تہوار (Pagan Customs) تقریباً یکم جنوری کے ارد گرد ہی منائے جاتے جو بعد ازاں عید میلاد المسیح یعنی کرسمس کی شکل اختیار کر گئے۔"[3]

- کیتھولک انسائیکلوپیڈیا میں ہی "Natal Day" کے عنوان سے لکھے گئے آرٹیکل میں ہمیں اس بات کی شہادت بھی ملتی ہے کہ کلیسا کی انتہائی عظیم شخصیت، ابتدائی کیتھولک

2014

1 Encyclopedia Britannica, Chicago 2009 Deluxe Edition, Christmas
2 Encyclopedia Britannica, Chicago 2009 Deluxe Edition, Church Year
3 Catholic Encyclopedia, Roman Catholic Church, 1911 Ed.: Christmas

مجلس التحقیق الاسلامی کے زیر اہتمام ملت اسلامیہ کا علمی اور اصلاحی مجلہ

magazine.mohaddis.com

پوپ آریجن (Origen 185-253 AD) نے بھی اس حقیقت کو تسلیم کیا ہے:

"مقدس صحائف میں یوم پیدائش (Birth Day) کے موقع پر کسی عظیم دعوت کا انعقاد کرنے یا اسے بحیثیت تہوار منانے کا کوئی ایک بھی حوالہ موجود نہیں۔ یہ تو نمرود، فرعون اور ان کی طرح کے گنہگار کفار ہیں جو اس دنیا میں اپنی پیدائش کے دن کسی تہوار یا بڑی دعوت کا انعقاد کرتے ہیں۔"[1]

انسائیکلوپیڈیا امیریکانا میں "Christmas" کے موضوع پر تحریر کردہ مضمون میں اس عقدہ کو یوں کشا کیا گیا:

"بہت سے مذہبی ماہرین کے مطابق عیسائی کلیسا کی ابتدائی صدیوں میں کرسمس نہیں منائی جاتی تھی... لوگ عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش کی یاد میں چوتھی صدی عیسوی میں تہوار منانا شروع ہوئے۔ پانچویں صدی عیسوی میں تو مغربی عیسائیوں نے اس تہوار کو اس دن منانے کا حکم دیا جس دن قدیم اہل روم اپنے سورج دیوتا کا جنم دن (۲۵ دسمبر) منایا کرتے تھے۔ جبکہ مسیح علیہ السلام کے اصل یوم پیدائش کا کسی کو کوئی خاص علم ہی نہ تھا۔"[2]

کرسمس کی حقیقت

پروفیسر الیگزینڈر ہزلپ کرسمس اور نمرود کے تعلق کو اس طرح بیان کرتے ہیں:

"بابل، مصر، کنعان، یونان، روم اور مختلف ایشیائی ممالک کی قدیم تہذیبوں میں ہمیں ایک مشترک داستان ملتی ہے جس کی ابتدا بابلی تہذیب سے ہوئی اور پھر مختلف تہذیبوں نے اس داستان کو اپنا کر اپنے عقائد میں شامل کیا۔ اس داستان کے مطابق شہر بابل کا بانی نمرود بادشاہ جنگل میں شکار کرنے گیا اور واپس نہ آیا۔ غالباً وہ کسی شکار کا شکار ہو گیا۔ اس کی ماں جو اس کی بیوی بھی تھی، اس نے اسے بہت تلاش کیا لیکن اس کا کوئی پتا نہ چلا۔ بالآخر اُس نے اپنے دل کو بہلانے کے لیے کہ

1 Catholic Encyclopedia, Roman Caotholic Church, 1911 Ed. Natal Day
2 Encyclopedia Ameracana, New York, 1944 Ed. (Christmas)

مجلس التحقیق الاسلامی کے زیر اہتمام ملت اسلامیہ کا علمی اور اصلاحی مجلہ

magazine.mohaddis.com

میرا بیٹا پاتال میں آرام کرنے کے لیے گیا ہے اور جس طرح ایک خشک تنے سے سردیوں کے انقلابِ شمسی (یعنی ۲۱/ دسمبر اور اسکے بعد کے کچھ ایام) پر ایک نئی زندگی سرسبز پتوں کی صورت پھوٹتی ہے، ایسے ہی میرے بیٹے کے مردہ بدن سے اس کی پیدائش کے دن ہر سال ایک نئی زندگی جنم لے گی۔ اور ہر سال اس دن کو ہم عید کے طور پر منائیں گے۔"[1]

مارٹن کولنز اس سلسلے میں اپنے ریمارکس یوں دیتے ہیں:

"نمرود کی ناگہانی موت (2167 BC) کے بعد اس کی ماں سمیرامس نے اہل بابل میں اس عقیدے کا پرچار کیا کہ نمرود ایک دیوتا تھا۔ اس نے یہ بھی کہا کہ اس کا بیٹا درخت کے تنے کی مانند ہے کہ جیسے سردیوں کے اختتام پر اس سے ایک نئی زندگی جنم لیتی ہے، ایسے ہی اس کے مردہ جسم سے اس کی سالگرہ کے دن ایک نئی زندگی جنم لے گی۔ اس کی سالگرہ کے دن اس کی ماں نے یہ اعلان کیا کہ نمرود ہر سرسبز درخت پر آئے گا اور وہاں تحائف چھوڑ کر جائے گا۔ غالباً یہی کرسمس ٹری کی ابتدا بھی ہے۔ اس طرح اس کی سالگرہ سردیوں کے انقلابِ شمسی یعنی دسمبر کے آخری ایام میں ایک عید کی حیثیت سے منائی جانے لگی۔"[2]

بائبل میں ایسے تہوار نہ منانے کا حکم

بائبل میں بھی مشرکین کے میلوں، عیدوں اور تہواروں میں شرکت کرنے سے منع کیا گیا ہے۔ فرمانِ باری تعالیٰ ہے: "اے اسرائیل کے گھرانے! وہ کلام جو خداوند تم سے کرتا ہے سنو۔ خداوند یوں فرماتا ہے کہ تم دیگر اقوام کی روش اختیار نہ کرو۔"[3]

نیز یہ تہوار حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے سچے دین میں نہ تھا بلکہ بعد میں رومی پادریوں نے اسے دین کا شعار بنایا، اس لیے یہ عیسائیت میں بدعت (Heresy) ہے۔ اور بدعت سے بائبل

2014

1 The Tow Babylons by Alexander Hislop , p.93
2 Forerunner Commentary by Martin G. Collins

۳ یرمیاہ ۱۰/ ۲،۱

مجلس التحقیق الاسلامی کے زیر اہتمام ملت اسلامیہ کا علمی اور اصلاحی مجلہ

magazine.mohaddis.com

میں بھی بیسیوں مقامات پر منع کیا گیا ہے۔ فرمانِ خداوندی ہے:

''بدعات کرنے والے خدا کی بادشاہی کے وارث نہ ہوں گے۔''[1]

نیز فرمایا: ''تم میں بھی جھوٹے اُستاد ہوں گے جو پوشیدہ طور پر ہلاک کرنے والی بدعتیں نکالیں گے.... اور اپنے آپ کو جلد ہلاکت میں ڈالیں گے۔''[2]

لمحہ فکریہ!

- اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿ وَلَئِنِ اتَّبَعْتَ اَهْوَآءَهُمْ بَعْدَ الَّذِیْ جَآءَكَ مِنَ الْعِلْمِ ﴾[3]

''اگر تم علم (ودانش) آنے کے بعد ان لوگوں کی خواہشات کے پیچھے چلو گے تو اللہ کے سامنے کوئی نہ تمہارا مددگار ہو گا اور نہ کوئی بچانے والا۔''

اللہ ربّ العزت نے قرآن کریم میں ۱۵/ مختلف مقامات پر جاہل اور گمراہ اقوام کے عقائد، نظریات، تہوار اور رسم ورواج کو قبول سے منع فرمایا۔

- ذخیرۂ احادیث میں رسول اللہ ﷺ نے بیسیوں مرتبہ مختلف معاملاتِ زندگی کے متعلق فرمایا: «خالفوا المشرکین»[4]

''مشرکین کی مخالفت کرو۔''

«خالفوا المجوس»[5] ''مجوسیوں کی مخالفت کرو۔''

«خالفوا الیهود والنصاری»[6] ''یہود اور نصاریٰ کی مخالفت کرو۔''

- رسول اللہ ﷺ نے یہ بھی فرمایا:

«من تشبّه بقوم فهو منهم»[1]

۱ گلیتیوں ۲۱:۵
۲ پطرس کا دوسرا خط ۱:۲
۳ سورۃ الرعد: ۳۷
۴ صحیح بخاری: ۵۸۹۲؛ صحیح مسلم: ۲۵۹
۵ صحیح مسلم: ۲۶۰
۶ سنن ابی داؤد: ۶۵۲؛ صحیح ابن حبان: ۲۱۸۳

مجلس التحقیق الاسلامی کے زیر اہتمام ملت اسلامیہ کا علمی اور اصلاحی مجلہ

magazine.mohaddis.com

''جو شخص کسی قوم کی مشابہت اختیار کرے، وہ ان ہی میں سے ہے۔''[1]

- حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

"لاتدخلوا في كنائسهم يوم عيدهم، فإنّ السخطة تنزّل عليهم"[2]

''ان کی عید کے دن ان کے کلیساؤں میں نہ جایا کرو کیونکہ ان پر اللہ کی ناراضگی اترتی ہے۔''

اسی تناظر میں آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

"اجتنبوا أعداء الله في عيدهم"[3]

''اللہ کے دشمنوں کی عید میں شرکت کرنے سے بچو!''

- حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

'' غیر مسلموں کی سرزمین میں رہنے والا مسلمان ان کے نوروز (New Year) اور ان کی عید کو ان کی طرح منائے اور اسی رویے پر اس کی موت ہو تو قیامت کے دن وہ ان غیر مسلموں کے ساتھ ہی اٹھایا جائے گا۔''[4]

فقہائے اسلام رحمۃ اللہ علیہم اور عیدِ میلادِ مسیح کا حکم

1. امام احمد بن حنبلؒ سے پوچھا گیا کہ جس شخص کی بیوی عیسائی ہو تو کیا اپنی بیوی کو عیسائیوں کی عید یا چرچ میں جانے کی اجازت دے سکتا ہے؟ تو آپ نے فرمایا: وہ اسے اجازت نہ دے کیونکہ اللہ نے گناہ کے کاموں میں تعاون نہ کرنے کا حکم دیا ہے۔[5]
2. مختلف شافعی فقہا کا کہنا ہے کہ جو کفار کی عید میں شامل ہو، اسے سزا دی جائے۔[6]
3. معروف شافعی فقیہ ابوالقاسم ہبۃ اللہ بن حسن بن منصور طبریؒ کہتے ہیں:

1. سنن ابی داؤد: ۴۰۳۱
2. مصنف عبدالرزاق: ۱۶۰۹؛ سنن کبریٰ للبیہقی: ۱۸۸۶۰؛ امام ابن کثیرؒ نے فرمایا: اسناده صحیح
3. السنن الکبریٰ للبیہقی: ۱۸۸۶۲
4. سنن الکبریٰ للبیہقی: حدیث ۱۸۸۶۳ اسناده صحیح؛ اقتضاء الصراط المستقیم از علامہ ابن تیمیہ: ۱/۲۰۰
5. المغنی لابن قدامہ: ۹/۳۶۴؛ الشرح الکبیر علی متن المقنع: ۱۰/۶۲۵
6. الاقناع: ۲/۵۲۶؛ مغنی المحتاج: ۵/۵۲۶

magazine.mohaddis.com

”مسلمانوں کے لیے یہ جائز نہیں کہ یہود و نصاریٰ کی عیدوں میں شرکت کریں کیونکہ وہ برائی اور جھوٹ پر مبنی ہیں۔ اور جب اہل ایمان اہل کفر کے ایسے تہوار میں شرکت کرتے ہیں تو کفر کے اس تہوار کو پسند کرنے والے اور اس سے متاثر ہونے والے کی طرح ہی ہیں۔ اور ہم ڈرتے ہیں کہ کہیں ان اہل ایمان پر اللہ کا عذاب نہ نازل ہو جائے کیونکہ جب اللہ کا عذاب آتا ہے تو نیک و بد سب اس کی لپیٹ میں آ جاتے ہیں۔“[1]

۴. امام مالک کے شاگرد رشید مشہور مالکی فقیہ عبد الرحمٰن بن القاسمؒ سے سوال کیا گیا کہ کیا ان کشتیوں میں سوار ہونا جائز ہے جن میں عیسائی اپنی عیدوں کے دن سوار ہوتے ہیں۔ تو آپؒ نے اس وجہ سے اسے مکروہ جانا کہ کہیں ان پر اللہ کا عذاب نہ اتر آئے کیونکہ ایسے مواقع پر وہ مل کر شرک کا ارتکاب کرتے ہیں۔[2]

۵. احناف کے مشہور فقیہ ابو حفص کبیرؒ نے فرمایا: اگر کوئی شخص پچاس سال اللہ کی عبادت کرے پھر مشرکین کی عید آئے تو وہ اس دن کی تعظیم کرتے ہوئے کسی مشرک کو ایک انڈہ ہی تحفہ دے دے تو اس نے کفر کیا اور اس کے اعمال ضائع ہو گئے۔[3]

۶. نامور فقیہ امام ابو الحسن آمدیؒ کا بھی فتویٰ ہے کہ یہود و نصاریٰ کی عیدوں میں شامل ہونا جائز نہیں۔[4]

۷. امام ابن قیمؒ نے فرمایا: ”کافروں کے خاص دینی شعار کے موقع پر انہیں مبارک باد پیش کرنا بالاتفاق حرام ہے۔“[5]

۸. امام ابن تیمیہ نے اس مسئلہ میں فرمایا: ”موسم سرما میں دسمبر کی ۲۴ تاریخ کو لوگ بہت

۱ احکام اہل الذمۃ: ۳/ ۱۲۴۹
۲ المدخل لابن الحاج: ۲/ ۴۷
۳ البحر الرائق شرح کنز الدقائق: ۸/ ۵۵۵؛ الدر المختار: ۶/ ۷۵۴
۴ احکام اہل الذمہ از امام ابن قیم: ۳/ ۱۲۴۹
۵ احکام اہل الذمۃ: ۱/ ۲۰۵

.2014

مجلس التحقیق الاسلامی کے زیر اہتمام ملت اسلامیہ کا علمی اور اصلاحی مجلہ

magazine.mohaddis.com

سے کام کرتے ہیں۔عیسائیوں کے خیال میں یہ دن حضرت عیسیٰ کی پیدائش کا دن ہے۔اس میں جتنے بھی کام کئے جاتے ہیں مثلاً آگ روشن کرنا، خاص قسم کے کھانے تیار کرنا اور موم بتیاں وغیرہ جلانا سب کے سب مکروہ کام ہیں۔اس دن کو عید سمجھنا عیسائیوں کا دین و عقیدہ ہے۔اسلام میں اس کی کوئی اصلیت نہیں اور عیسائیوں کی اس عید میں شامل ہونا جائز نہیں۔''[1]

المیہ!

مگر بڑے افسوس کا مقام ہے کہ اکثر عوام الناس اور ان کی رہنمائی کرنے والے کچھ عاقبت نااندیش علما نہ صرف غیر مسلموں کے ایسے تہواروں میں شرکت کرتے بلکہ ان کی تعریف بھی کرتے ہیں۔اُنہیں اللہ سے ڈرنا چاہیئے اور اللہ کے ان دشمنوں کو خوش نہیں کرنا چاہیئے کیونکہ ''وہ لوگ چاہتے ہیں کہ تم نرمی ختیار کرو تو وہ بھی نرم ہو جائیں۔''[2] اور اللہ کا فرمان بھی ہے:'' تم سے نہ تو یہودی کبھی خوش ہوں گے اور نہ عیسائی یہاں تک کہ اُن کے مذہب کی پیروی اختیار کرلو۔''[3] اور رسول اللہ ﷺ نے سچ فرمایا: '' تم لوگ پہلی اُمتوں کے طریقوں کی قدم بقدم پیروی کرو گے یہاں تک کہ اگر وہ لوگ کسی گوہ کے بل میں داخل ہوں تو تم بھی اس میں داخل ہو گے۔''[4] ہمارے معاشرے میں رائج قبر پرستی، پیر پرستی، امام پرستی اور رنگارنگ بدعات مثلاً عرس، میلے اور عید میلاد النبی ﷺ وغیرہ ان تمام باتوں کی دلیل قرآن وسنت سے نہیں ملتی اور نہ ہی صحابہ کرام و اہل بیت عظام سے ان کی کوئی دلیل ملتی ہے بلکہ یہ بدعات تو سراسر یہود و نصاریٰ کی اندھا دھند نقالی کا ہی کرشمہ ہیں۔اللہ سے دعا ہے کہ ہمیں بدعات سے بچائے اور قرآن و سنت کی صراطِ مستقیم پر چلائے۔ آمین!

۱ اقتضاء الصراط المستقیم : ۱/ ۴۷۸
۲ سورۃ القلم:۹
۳ سورۃ البقرۃ:۱۲۰
۴ صحیح بخاری:۳۴۵۶

مجلس التحقیق الاسلامی کے زیر اہتمام ملت اسلامیہ کا علمی اور اصلاحی مجلہ

magazine.mohaddis.com

خلاصۂ تحقیق

گزشتہ تمام تفصیل کا خلاصہ نکات وار یہ ہے کہ

۱. حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا یومِ پیدائش بالکل نامعلوم ہے۔
۲. یومِ پیدائش کے متعلق فقط اندازے و تخمینے لگائے جاتے ہیں، کوئی مستند دلیل نہیں۔
۳. حضرت عیسیٰ علیہ السلام ۲۵ر دسمبر کو پیدا نہیں ہوئے تھے۔
۴. قرآن اور اناجیل میں عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش کے معلوم واقعات کی روشنی میں یہ بات عیاں ہوتی ہے کہ آپ کی ولادت موسم گرما میں ہوئی۔
۵. اس کے باوجود حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا یومِ پیدائش ۲۵ر دسمبر کو مقرر کیا گیا۔ کیونکہ ابتدائی عیسائیت کو تحفظ دینے والے مشرک اہل روم اپنے سورج دیوتا کا جنم دن ۲۵ر دسمبر کو ہی منایا کرتے تھے۔
۶. مصر کے فرعون اپنی مشہور دیوی آئیسز (Isis) کے بیٹے ہورس (Horus) دیوتا کا جنم دن بھی ۲۵ر دسمبر کو منایا کرتے تھے۔
۷. عید کے طور پر ۲۵ر دسمبر کو منانے کا رواج تاریخ میں سب سے پہلے ہمیں بابل کی تہذیب سے ملتا ہے۔ کیونکہ اہل بابل ۲۵ر دسمبر کو شہر کے بانی نمرود بادشاہ کی سالگرہ منایا کرتے تھے۔
۸. کسی شخصیّت کے جنم دن کو تہوار کے طور پر منانا یا خود اپنی سالگرہ منانا نمرود، فرعون اور مشرک اقوام کا طریقہ ہے۔
۹. بائبل کی تعلیم کے مطابق ایسے تہوار منانا جائز نہیں۔
۱۰. نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہود و نصاریٰ کی مشابہت سے منع فرمایا۔
۱۱. ایسے تہوار پر مبارک باد دینا حرام ہے۔
۱۲. خاص مذہبی تہوار پر کسی غیر مسلم کو کوئی تحفہ دینا جائز نہیں۔
۱۳. عیسائیوں کی نقالی میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا میلاد منانا بدعت بھی ہے اور غیر مسلموں کی مشابہت بھی۔

مجلس التحقیق الاسلامی کے زیر اہتمام ملت اسلامیہ کا علمی اور اصلاحی مجلہ

magazine.mohaddis.com

عبدالوارث گل[1]

کرسمس کی اصلیت؛ تاریخ کے آئینے میں

﴿مَا لَهُم بِهِ مِنْ عِلْمٍ وَلَا لِآبَائِهِمْ ۚ كَبُرَتْ كَلِمَةً تَخْرُجُ مِنْ أَفْوَاهِهِمْ ۚ إِن يَقُولُونَ إِلَّا كَذِبًا ۝﴾[2]

''نہ اس کا کوئی علم انھیں ہے اور نہ ان کے باپ دادا کو تھا، (یہ) بہت بڑا بول ہے جو ان کے منہ سے نکل رہا ہے، وہ (سراسر) جھوٹ کے سوا کچھ کہتے ہی نہیں۔''

یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ دنیا میں انسان کسی بھی مذہب، گروہ، فرقہ، قوم یا ملک سے ہو، اسے خوشی چاہیے۔ وہ خوش ہونا، ہنسنا اور مسکرانا چاہتا ہے، وہ تہوار منانا چاہتا ہے۔ مذہب انسان کی اس فطرت سے واقف ہے، لہٰذا وہ اسے تقریبات، عیدوں اور تہواروں کی اجازت دیتا ہے۔ انسانی فطرت میں یہ بات پائی جاتی ہے کہ جب وہ خوش ہوتا ہے تو اکثر و بیشتر حدود اللّٰہ سے تجاوز کر جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آسمانی مذاہب نے ان تقریبات، عیدوں اور تہواروں کو پاکیزہ رکھنے کی ہمیشہ تاکید کی ہے۔ لیکن انسان کی خواہش نفس کی تکمیل کے آگے جہاں مقدس الہامی کتب اور صحائف نہ بچ سکے، وہاں یہ عیدیں اور تہوار کیا چیز ہیں؟

کرسمس (Christmas) دو الفاظ کرائسٹ (Christ) اور ماس (Mass) کا مرکب ہے۔ کرائسٹ (Christ) مسیح (علیہ السلام) کو کہتے ہیں اور ماس (Mass) اجتماع، اکٹھا ہونا ہے یعنی مسیح کے لیے اکٹھا ہونا، اس کا مفہوم یہ ہوا: مسیحی اجتماع یا یومِ میلادِ مسیح۔

یہ لفظ تقریباً چوتھی صدی کے قریب قریب پایا گیا۔ اس سے پہلے اس لفظ کا استعمال کہیں نہیں ملتا۔ دنیا کے مختلف خطوں میں کرسمس کو مختلف ناموں سے یاد کیا اور منایا جاتا ہے۔ اسے

1. جنرل سیکرٹری 'حقوق الناس ویلفیئر فاؤنڈیشن'، لاہور www.huqooq.org
2. سورۃ الکہف:۵

magazine.mohaddis.com

یول ڈے نیٹوئی (پیدائش کا سال) اور نوائل (پیدائشی یا یوم پیدائش) جیسے ناموں سے بھی پکارا جاتا ہے۔[1] 'بڑا دن' بھی کرسمس کا مروجہ نام ہے۔ یہ یوم ولادت مسیح علیہ السلام کے سلسلے میں منایا جاتا ہے کیونکہ مسیحیوں کے لیے یہ ایک اہم اور مقدس دن ہے، اس لیے اسے بڑا دن کہا جاتا ہے۔

نہ صرف مسیح علیہ السلام کی تاریخ پیدائش بلکہ سن پیدائش کے حوالے سے بھی مسیحی علما میں شدید اختلاف پایا جاتا ہے۔ عام خیال ہے کہ سن عیسوی مسیح علیہ السلام کی پیدائش سے شروع ہوتا ہے مگر 'قاموس الکتاب' اور دیگر مسیحی کتب کی ورق گردانی سے معلوم ہوتا ہے کہ مسیح علیہ السلام کی ولادت باسعادت ۴ یا ۶ ق م میں ہوئی۔ قاموس الکتاب میں یہ تاریخ ۴ق م دی گئی ہے جبکہ مائیکل ہارٹ "The Hundred" میں ۶ق م تسلیم کرتا ہے۔ پیدائش کے دن کے حوالے سے بھی شدید اختلاف ہے۔ رومن کیتھولک اور پروٹسٹنٹ کلیسا اسے ۲۵ دسمبر، مشرقی آرتھوڈوکس کلیسا ۶ جنوری اور ارمنی کلیسا ۱۹ جنوری کو مناتا ہے۔ کرسمس کے تہوار کا ۲۵ دسمبر کو ہونے کا ذکر پہلی مرتبہ شاہ قسطنطین (جو چوتھی صدی عیسوی میں بت پرستی ترک کر کے عیسائیت میں داخل ہو گیا تھا) کے عہد میں ۳۲۵ عیسوی میں ہوا۔ یہ بات صحیح طور پر معلوم نہیں کہ اولین کلیسا 'بڑا دن' مناتے بھی تھے یا نہیں۔

یاد رہے کہ مسیح علیہ السلام کی صحیح تاریخ پیدائش کا کسی کو علم نہیں۔ تیسری صدی عیسوی میں اسکندریہ کے کلیمنٹ نے رائے دی تھی کہ اسے ۲۰ مئی کو منایا جائے۔ لیکن ۲۵ دسمبر کو پہلے پہل روم (اٹلی) میں بطور مسیحی مذہبی تہوار مقرر کیا گیا تاکہ اس وقت کے ایک غیر مسیحی تہوار، جشن زُحل Saturnalia کو (یہ رومیوں کا ایک بڑا تہوار تھا، اس روز رنگ رلیاں خوب منائی جاتی تھیں) جو سورج کے راس الجدی پر پہنچنے کے موقع پر ہوتا تھا، پس پشت ڈال کر اس کی جگہ مسیح علیہ السلام کی سالگرہ منائی جائے۔[2]

کینن فیرر نے بھی اپنی کتاب 'لائف آف کرائسٹ' میں اس بات کا اعتراف کیا ہے کہ مسیح علیہ السلام کے یوم ولادت کا کہیں پتہ نہیں چلتا۔ انجیل (لوقا ۲:۸) سے صرف یہ بات معلوم .2014

۱ نوائے وقت: ۲۷ دسمبر ۲۰۰۵ء

۲ قاموس الکتاب: ص ۱۴۷

مجلس التحقیق الاسلامی کے زیر اہتمام ملت اسلامیہ کا علمی اور اصلاحی مجلہ

magazine.mohaddis.com

ہوتی ہے کہ اس رات گڈریے بھیڑوں کو لیے ہوئے بیت اللحم کے کھیتوں میں موجود تھے، لیکن انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا میں کرسمس ڈے کے مقالہ نگار نے اس پر ایک نہایت عمدہ تنقید کی ہے۔ وہ لکھتا ہے کہ دسمبر کا مہینہ تو ریاستِ یہودیہ (فلسطین) میں سخت بارش کا مہینہ ہے، ان دنوں بھیڑیں یا گڈریے کس طرح کھلے آسمان تلے رہ سکتے ہیں؟

چار صدیوں تک ۲۵ دسمبر کو مسیح علیہ السلام کی تاریخ ولادت نہیں سمجھا جاتا تھا۔ ۵۳۰ء میں سیتھیا کا ڈایونیس اکسیگزنامی ایک راہب جو ایک مُنجّم (Astrologer) بھی تھا، تاریخ ولادت مسیح علیہ السلام کی تحقیق اور تعین کے لیے مقرر ہوا۔ سو اُس نے مسیح علیہ السلام کی ولادت ۲۵ دسمبر مقرر کی، کیونکہ مسیح علیہ السلام سے پانچ صدیاں قبل ۲۵ دسمبر مقدس تاریخ سمجھی جاتی تھی۔ بہت سے دیوتاؤں کا اس تاریخ پر یا اس سے ایک دو دن بعد پیدا ہونا تسلیم کیا جا چکا تھا، چنانچہ راہب نے آفتاب پرست اقوام میں عیسائیت کو مقبول بنانے کے لیے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تاریخ ولادت ۲۵ دسمبر مقرر کر دی۔

قرآن مجید کی سورۂ مریم پڑھنے سے معلوم ہوتا ہے:

﴿ فَاَجَآءَهَا الْمَخَاضُ اِلٰى جِذْعِ النَّخْلَةِ ۚ قَالَتْ يٰلَيْتَنِيْ مِتُّ قَبْلَ هٰذَا وَكُنْتُ نَسْيًا مَّنْسِيًّا ۝ فَنَادٰىهَا مِنْ تَحْتِهَآ اَلَّا تَحْزَنِيْ قَدْ جَعَلَ رَبُّكِ تَحْتَكِ سَرِيًّا ۝ وَهُزِّيْٓ اِلَيْكِ بِجِذْعِ النَّخْلَةِ تُسٰقِطْ عَلَيْكِ رُطَبًا جَنِيًّا ۝ ﴾[1]

"پھر دردِ زہ اسے (مریم کو) کھجور کے تنے کی طرف لے آیا۔ وہ کہنے لگی: اے کاش! میں اس سے پہلے مر جاتی اور بھولی بھلائی ہوتی۔ پھر اس (فرشتے) نے اس کے نیچے سے آواز دی کہ غم نہ کر، یقیناً تیرے ربّ نے تیرے نیچے ایک چشمہ جاری کر دیا ہے۔ اور کھجور کے تنے کو اپنی طرف ہلا، وہ تجھ پر تازہ پکی ہوئی کھجوریں گرائے گا۔"

اس بات پر تو سب کا اتفاق ہے کہ مسیح علیہ السلام کی جائے پیدائش ریاستِ یہودیہ کے شہر بیت اللحم میں ہوئی۔ اس علاقے میں موسم گرما کے وسط یعنی جولائی، اگست میں ہی کھجوریں ہوتی ہیں۔ قرآنِ مجید کے ذریعے اللہ نے یہ امر واضح کیا کہ حضرت مسیح علیہ السلام کی ولادت کھجوریں پکنے

1 سورۃ مریم: ۲۲ تا ۲۵

مجلس التحقیق الاسلامی کے زیر اہتمام ملت اسلامیہ کا علمی اور اصلاحی مجلہ

magazine.mohaddis.com

کے مہینے جولائی یا اگست کے کسی دن میں ہوئی تھی نہ کہ ۲۵ دسمبر کو، جو کہ یہودیہ (موجودہ فلسطین) میں سخت سردی اور بارشوں کا مہینا ہوتا تھا۔

جرمن قبائل قدیم زمانہ سے اس موسم کو تعظیم اور تکریم کا موسم سمجھتے تھے۔ سیکنڈے نیویا (ناروے، سویڈن، ڈنمارک) کے قدیم باشندوں کا عقیدہ تھا کہ تمام دیوتا ۲۵ دسمبر کو زمین پر اُترتے ہیں اور ۶ جنوری تک انسانوں کی تقدیر بدلنے کی تدبیر کرتے رہتے ہیں۔

اس ضمن میں ایک دلچسپ واقعہ بھی ملتا ہے کہ چوتھی صدی عیسوی کے اوائل میں روم شہر میں مشعلیں بنانے والے ایک صاحب نے ایک ایسی مشعل بنائی جس میں تیل ڈالنا نہیں پڑتا تھا جس کو بعد میں کینڈل یا موم بتی کا نام دیا گیا۔ یہ تیل والی مشعلوں کے مقابلے میں گھنٹوں زیادہ جلتی تھی۔ یہ ایک زبردست ایجاد تھی جس کے ذریعے وہ دنوں میں امیر ہو گیا، لہٰذا اب یہ شخص موم بتی کی وسیع فروخت کا خواہاں ہوا۔ اس نوجوان کے حلقہ احباب میں روم شہر کا ایک پادری بھی تھا۔ ایک دن نوجوان نے اپنے پادری دوست کے سامنے اپنی خواہش کا اظہار کیا تو پادری صاحب نے اس کو سمجھایا کہ دنیا میں جو چیز مذہب کے ساتھ منسوب ہو جائے، اُسے دوام مل جاتا ہے۔ ایک روز پادری اس نوجوان کی دکان پر آیا اور نوجوان نے پادری صاحب کے کان میں ایک سرگوشی کی تو پادری کی آنکھوں میں چمک آ گئی۔ اتفاق سے وہ اتوار کا دن اور ۲۵ دسمبر تھا۔ اس روز پادری صاحب نے 'سروس' یعنی عبادت کے بعد ایک عجیب اعلان کیا کہ آپ تمام حضرات سورج ڈوبنے کے بعد دوبارہ چرچ میں حاضر ہو جائیں، آج میں ایک ایسے خصوصی طریقے سے دعا مانگوں گا کہ مانگنے سے پہلے ہی دعا قبول ہو جائے گی، چنانچہ لوگ شام کے وقت چرچ میں جمع ہو گئے، جب خوب اندھیرا پھیل گیا تو پادری نے تمام حاضرین کے سامنے ایک ایک موم بتی جلادی اور لوگوں سے آنکھیں بند کر کے دعا کرنے کی درخواست کی۔ یہ دعا گھنٹوں جاری رہی اور ساتھ موم بتی بھی۔ دعا کے بعد جب لوگوں کی واپسی شروع ہوئی تو اُن کے ہونٹوں پر اس نئے طریقے کی دعا کی مقبولیت کا چرچا تھا۔ یہ ۳۳۶ عیسوی کا ۲۵ دسمبر تھا۔[1] چنانچہ آج بھی

1 کتاب: 'سازشیں بے نقاب'

مجلس التحقیق الاسلامی کے زیر اہتمام ملت اسلامیہ کا علمی اور اصلاحی مجلہ

magazine.mohaddis.com

کرسمس سے چار اتوار پہلے کرسمس کی تیاری کے حوالے سے 'کینڈل لائٹ سروس' کا اہتمام کیا جاتا ہے۔

مذکورہ بالا دلائل سے یہ بات تو روزِ روشن کی طرح واضح ہو جاتی ہے کہ ۲۵ دسمبر مسیح علیہ السلام کا یومِ ولادت نہیں، بلکہ یہ دن دیگر اغراض ومقاصد کی بنا پر 'یوم پیدائشِ مسیح' بنا دیا گیا۔ قاموس الکتاب کے حوالے سے تو یوں محسوس ہوتا ہے کہ جشن زُحل رومیوں کا تہوار جو عیاشیوں کی نظر ہو چکا تھا، اس کو ایک مقدس تہوار سے بدل دیا گیا تاکہ لوگوں کا رجحان مذہب کی طرف ہو جائے مگر کس کو معلوم تھا کہ یہ مقدس تہوار جشنِ زحل سے بھی خطرناک صورت اختیار کر جائے گا۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تاریخ پیدائش نہ تو انجیل سے ثابت ہے اور نہ ہی کسی اور مستند ذریعہ سے اس کا کوئی ثبوت ملتا ہے۔ ویسے بھی ابتدائی تین صدیوں تک میلاد مسیح علیہ السلام کو منانا، مشرکانہ اور بت پرستانہ فعل سمجھا جاتا تھا۔ یہ ایک خود ساختہ رسم تھی اور بعد ازاں مختلف کلیساؤں کی طرف سے اس کی روک تھام کے لیے متعدد احکامات بھی جاری کیے گئے۔[1]

کرسمس ٹری

'کرسمس ٹری' کا تصور بھی جرمنوں ہی کا پیدا کردہ ہے۔ مسیحی لوگ اپنی پرانی ثقافتی روایات کے مطابق کرسمس کے دن حضرت مریم علیہا السلام اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور جبرائیل علیہ السلام کا کردار مختلف اداکاروں کے ذریعے ایک ڈرامے کی شکل میں پیش کرتے تھے۔ راقم بھی اپنے زمانۂ عیسائیت میں خود کئی بار ایسے 'ٹیبلوز' میں مختلف کردار ادا کر چکا ہے، اس میں تمام واقعہ وہرایا جاتا تھا جو مریم کے ساتھ مسیح علیہ السلام کی ولادت کے ضمن میں پیش آیا۔ اس واقعے کے دوران درخت کو مریم علیہا السلام کا ساتھی بنا کر پیش کیا جاتا اور دکھایا جاتا کہ وہ اپنی اُداسی اور تنہائی کی یہ ساری مدت اس ایک درخت کے پاس بیٹھ کر گزار دیتی ہیں۔ چونکہ یہ درخت بھی اسٹیج پر سجایا جاتا تھا اور ڈرامے کے اختتام پر لوگ اس درخت کی ٹہنیاں تبرک کے طور پر ساتھ لے جاتے

۱ تفصیل کے لیے دیکھیے: Collier's انسائیکلوپیڈیا

مجلس التحقیق الاسلامی کے زیر اہتمام ملت اسلامیہ کا علمی اور اصلاحی مجلہ

magazine.mohaddis.com

اور اپنے گھروں میں ایسی جگہ لگا دیتے جہاں اُن کی نظریں اُن پر پڑتی رہیں۔ یہ رسم آہستہ آہستہ 'کرسمس ٹری' کی شکل اختیار کر گئی اور لوگوں نے اپنے اپنے گھروں میں ہی کرسمس ٹری بنانے اور سجانے شروع کر دیے، اس ارتقائی عمل کے دوران کسی ستم ظریف نے اس پر بچوں کے لیے تحائف بھی لٹکا دیے جس پر یہ تحائف بھی کرسمس ٹری کا حصہ بن گئے۔

کرسمس ٹری کی بدعت ایک عرصہ تک جرمنی میں ہی محدود تھی۔ ۱۸۴۷ء میں برطانوی ملکہ وکٹوریہ کا خاوند جرمنی گیا اور اسے کرسمس کا تہوار جرمنی میں منانا پڑا تو اس نے پہلی مرتبہ لوگوں کو کرسمس ٹری بناتے اور سجاتے دیکھا۔ اسے یہ حرکت بہت بھلی لگی، لہٰذا وہ واپسی پر ایک ٹری ساتھ لے آئے۔ ۱۸۴۸ء میں پہلی مرتبہ لندن میں کرسمس ٹری بنوایا گیا۔ یہ ایک دیوہیکل کرسمس ٹری تھا جو شاہی محل کے باہر آویزاں کیا گیا۔ ۲۵ دسمبر ۱۸۴۸ء کو لاکھوں لوگ یہ درخت دیکھنے لندن آئے اور اُسے دیکھ کر گھنٹوں تالیاں بجاتے رہے۔ اس دن سے لے کر آج تک تقریباً تمام ممالک میں کرسمس ٹری ہر مسیحی گھر میں بنایا جاتا ہے۔[1]

ایک رپورٹ کے مطابق آج کل صرف برطانیہ میں ۷۰ لاکھ کرسمس ٹری بنائے جاتے ہیں جن پر ۱۵۰ بلین پاؤنڈ لاگت آتی ہے۔ اس پر مستزاد یہ کہ ۲۰۰ بلین پاؤنڈ کے بلب اور چھوٹی ٹیوب لائٹس بھی نصب کی جاتی ہیں۔ کرسمس ٹری پر جلائی جانے والی لائٹس تقریباً پورا مہینا جلائی جاتی ہیں۔ یوں صرف ایک ٹری پر ہزار پاؤنڈ یعنی ایک لاکھ ستر ہزار روپے تک کی بجلی جلتی ہے۔ یہ اعداد و شمار صرف برطانیہ کے ہیں، باقی کا آپ خود اندازہ لگا سکتے ہیں۔ کرسمس کا آغاز ہوا تو اس کا مقصد یہ تھا کہ لوگوں میں مذہبی رجحان پیدا کیا جائے یا یہ کہہ سکتے ہیں کہ ابتدا میں یہ ایک ایسی بدعت تھی جس کی واحد فضول خرچی موم بتیاں تھیں، لیکن پھر کرسمس ٹری آیا، پھر موسیقی، پھر ڈانس اور آخر میں شراب بھی اس میں شامل ہو گئی۔ شراب کے داخل ہونے کی دیر تھی کہ یہ تہوار عیاشی کی شکل اختیار کر گیا۔ صرف برطانیہ کا یہ حال ہے کہ ہر سال کرسمس پر ۷ ارب ۳۰ کروڑ پاؤنڈ کی شراب پی جاتی ہے۔ ۲۵ دسمبر ۲۰۰۵ء کو برطانیہ میں جھگڑوں، لڑائی،

۱ ایوری مینز انسائیکلوپیڈیا، نیو ایڈیشن ۱۹۵۸ء

مجلس التحقیق الاسلامی کے زیر اہتمام ملت اسلامیہ کا علمی اور اصلاحی مجلہ

magazine.mohaddis.com

مار کٹائی کے دس لاکھ واقعات سامنے آئے۔ شراب نوشی کی بنا پر ۲۵ دسمبر ۲۰۰۲ء کو آبرو ریزی اور زیادتی کے ۱۹ ہزار کیس درج ہوئے۔ ایک سروے کے مطابق برطانیہ کے ہر ۷ میں سے ایک نوجوان نے کرسمس پر شراب نوشی کے بعد بدکاری کا ارتکاب کیا۔

امریکہ کی حالت اس سے بھی گئی گزری ہے۔ امریکہ میں کرسمس کے موقع پر ٹریفک کے قوانین کی اتنی خلاف ورزیاں ہوتی ہیں کہ پورا سال نہیں ہوتیں۔ ۲۵ دسمبر کو ہر شہری کے منہ سے شراب کی بُو آتی ہے۔ شراب کے اخراجات چودہ ارب ڈالر تک پہنچ جاتے ہیں۔ صرف اٹلانٹک سٹی کے جوا خانوں میں اس روز ۱۰ ارب روپے کا جوا ہوتا ہے۔ لڑائی مار کٹائی کے واقعات کی چھ لاکھ رپورٹیں درج ہوتی ہیں۔ ۲۵ دسمبر ۲۰۰۵ء کو کرسمس کے روز کثرتِ شراب نوشی کی وجہ سے حادثوں کے دوران اڑھائی ہزار امریکی اپنی جان سے ہاتھ دھو بیٹھے تھے۔ پانچ لاکھ خواتین اپنے بوائے فرینڈز اور خاوندوں سے پٹیں۔

اب تو یورپ میں بھی ایسے قوانین بن رہے ہیں جن کے ذریعے شہریوں کو یہ تلقین کی جاتی ہے کہ وہ کرسمس کی عبادت کے لیے اپنے قریب ترین چرچ میں جائیں، شراب نوشی کے بعد اپنی گلی سے باہر نہ نکلیں۔ خواتین بھی اس خراب حالت میں اپنے بوائے فرینڈز اور خاوندوں سے دور رہیں۔ مذکورہ بالا اعداد و شمار ۲۰۰۴ء اور ۲۰۰۵ء کے ہیں۔ ہم مسلمان بھی اپنی عیدوں پر قانونِ قدرت کی خلاف ورزیاں کرتے ہیں اور طرح طرح کی بدعتوں کے شکار ہو چکے ہیں، لیکن عیسائی دنیا اس معاملے میں مسلمانوں کے مقابلے میں بہت آگے ہے۔

اب تو عیسائیوں کے اندر بھی ایسے گروہ پیدا ہو چکے ہیں جو کرسمس کو پسند نہیں کرتے۔ یہ لوگ اس تہوار پر مختلف اعتراضات کرتے ہے۔ مثلاً مسیح علیہ السلام نے اپنی زندگی میں کرسمس نہیں منائی۔ اس کے بعد بھی تین صدیوں تک اس تہوار کا نام و نشان نہیں تھا، اس سے کرسمس کی حقیقت مشکوک ہو جاتی ہے۔ ان لوگوں کا کہنا ہے کہ ملٹی نیشنل کمپنیوں نے کرسمس کو سپانسر کر کے اسے مذہبی تہوار کی بجائے دکانداری بنا دیا ہے۔ عیسائی مذہب اور اس کے تہواروں میں درخت کی کوئی گنجائش نہیں۔ انجیل میں واضح الفاظ میں یہ حکم موجود ہے: "کسی درخت کو کاٹ

مجلس التحقیق الاسلامی کے زیر اہتمام ملت اسلامیہ کا علمی اور اصلاحی مجلہ

magazine.mohaddis.com

کر اسے مصنوعی طریقے پر صحن میں نہ گاڑا جائے۔" بائبل میں تقریباً ۳۸ مقامات سے یہ دلیل دی جاتی ہے کہ عیسائیت میں شراب نوشی حرام ہے، جبکہ اس روز شراب نوشی اہتمام کے ساتھ کی جاتی ہے۔

خلاصہ کلام

ہر نبی اور رسول نے اپنے ماننے والوں کو حکم دیا کہ تم لوگ اپنی خوشیوں میں بے اعتدالی اور خرمستیوں سے بچو، اسے عیاشی اور ہلے گلے کی نظر نہ کرو، مگر انسان نے خوشیاں منانے کے سلسلے میں ہمیشہ قدرت کے اس قانون کی خلاف ورزی کی۔ مذکورہ بالا تفصیلات سے کرسمس کی حقیقت سمجھنے میں آسانی ہوگئی ہے کہ اس کا مذہب کے ساتھ کوئی تعلق نہیں، اسے خواہ مخواہ عیسائیت کے ساتھ نتھی کیا گیا ہے۔ جناب مسیح علیہ السلام کی تاریخ پیدائش کا حتمی علم نہ ہونا اور ابتدائے مسیحیت میں اس دن کے منانے کا عدم ثبوت اس موقف کو مزید تقویت پہنچاتا ہے۔

مسلمان اور کرسمس

اسلام کی روشنی میں ایسے موقع پر مسلمان کو مسیحیوں کے ساتھ کیا رویہ اختیار کرنا چاہیے؟

دنیا میں بے شمار لوگ ایسے پائے جاتے ہیں جو محض نمود و نمائش کے لیے اپنی تاریخ پیدائش کچھ ایسے دنوں سے منسوب کر لیتے ہیں جو قومی یا عالمی سطح پر معروف ہوتے ہیں۔ ایسے لوگوں کے یوم ولادت پر مبارک باد دینا بھی خلاف واقعہ ہے، جبکہ کسی ایسی شخصیت اور دن کو منانا اور اس کے بارے میں مبارک باد پیش کرنا کہ جن کے متعلق اوّل تو یہ بات واضح ہے کہ ماضی میں ان تاریخوں میں سورج دیوتا، سیارے (Jupiter, Satum) یا دیگر بتوں کی پیدائش کا جشن منایا جاتا تھا۔ دُوم مسیح علیہ السلام کی پیدائش کا دن تو درکنار سن پیدائش بھی معلوم نہیں۔ سوم یہ کہ عیسائیوں کا جس دن کے بارے میں عقیدہ یہ ہو کہ آج کے دن یعنی ۲۵ دسمبر کو اللہ کا بیٹا پیدا ہوا تھا (معاذ اللہ)، ایک مسلمان کسی کو اس پر کیسے مبارک دے سکتا ہے؟ یاد رکھیں! یہ وہ بات ہے جس کے بارے میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

﴿ وَ قَالُوا اتَّخَذَ الرَّحْمٰنُ وَلَدًا ۝ لَقَدْ جِئْتُمْ شَيْئًا إِدًّا ۝ تَكَادُ السَّمٰوٰتُ يَتَفَطَّرْنَ

مجلس التحقیق الاسلامی کے زیر اہتمام ملت اسلامیہ کا علمی اور اصلاحی مجلہ

magazine.mohaddis.com

مِنۡهُ وَ تَنۡشَقُّ الۡاَرۡضُ وَ تَخِرُّ الۡجِبَالُ هَدًّا ۙ﴿۹۰﴾ اَنۡ دَعَوۡا لِلرَّحۡمٰنِ وَلَدًا ﴿ۚ۹۱﴾ ﴾[1]

''اور اُنہوں نے کہا کہ رحمٰن نے کوئی اولاد بنالی ہے، بلاشبہ تم ایک بہت بھاری بات (گناہ) تک آپہنچے ہو۔ قریب ہے کہ اس بات سے آسمان پھٹ پڑیں اور زمین شق ہو جائے اور پہاڑ گر پڑیں کہ انہوں نے رحمٰن کے لیے کسی بیٹے کا دعویٰ کیا۔''

لہٰذا مسیحی حضرات کو مبارک باد دینا یا اس ضمن میں کسی بھی تقریب میں شرکت کرنا اسلامی نظریے کے مطابق درست نہیں، لیکن ہمارے کچھ نام نہاد علماے کرام اور آج کا ماڈریٹ مسلمان خواہ مخواہ اغیار کی تہذیب و تمدن سے مرعوب نظر آتا ہے اور بے علمی و جہالت اور نام نہاد روشن خیالی کے سبب نہ صرف مبارک باد اور خوشی کا اظہار کرتا ہے، بلکہ اس موقع پر برپا کی جانے والی شراب وشباب کی محافل میں شریک ہو کر اظہارِ یکجہتی کا عملی نمونہ بھی پیش کرنے کی کوشش کرتا ہے۔

اسلام قبول کرنے سے قبل میری زندگی میں ایک کرسمس ایسا بھی آیا جس کو میں نے نیکی کا کام سمجھ کر خوب دھوم دھام سے منایا جس میں ۸۰ فیصد میرے ایسے دوستوں نے شرکت کی جو مسلمان تھے اور صرف شرکت ہی نہیں کی بلکہ ثواب سمجھ کر کرسمس پارٹی کے اخراجات میں میری معاونت بھی کی، مگر حیرت کی بات یہ ہے کہ اب جبکہ میں مسلمان ہو چکا ہوں اور گھر میں یا دیگر مقامات پر درسِ قرآن کی مجالس میں شرکت کی دعوت دیتا ہوں تو وہی مسلمان لوگ جو رات ۳ بجے تک میرے ساتھ کرسمس مناتے تھے، عذر تراشتے ہیں۔

ابھی کل ہی کی بات ہے کہ میں جس مادر پدر آزاد تہذیب کو ٹھوکر مار کر آیا تھا، آج کے کچھ مادہ پرست، حواس باختہ سیکولر مسلمان اُسی تہذیب پر رال ٹپکا رہے ہیں۔ جس بے مثال فلسفۂ توحید، لاجواب نظریۂ حیات اور آخرت کی لازوال کامیابی مجھے اور میرے جیسے کروڑوں لوگوں کو اپنی طرف کھینچ لائی، وہیں اس دین کی تعلیمات سے بے بہرہ، اپنے اسلاف سے کٹے ہوئے، بے یقینی اور نااُمیدی کا طوق اپنے گلے میں ڈالے ہوئے کچھ مسلمان اُس دینِ الٰہی سے نظریں چرا

---

۱ سورۃ مریم: ۸۸ تا ۹۱

مجلس التحقیق الاسلامی کے زیر اہتمام ملت اسلامیہ کا علمی اور اصلاحی مجلہ

magazine.mohaddis.com

رہے ہیں جس کا بدل پوری کائنات میں نہیں۔ اقبال ؒ نے اسی کیفیت کا نقشہ کھینچا تھا:

کبھی اے نوجواں مسلم! تدبر بھی کیا تو نے
وہ کیا گردوں تھا تو جس کا ہے اک ٹوٹا ہوا تارہ
تجھے اس قوم نے پالا ہے آغوشِ محبت میں
کچل ڈالا تھا جس نے پاؤں میں تاجِ سرِ دارا
تجھے آبا سے اپنے کوئی نسبت ہو نہیں سکتی
کہ تو گفتار، وہ کردار، تو ثابت، وہ سیّارہ
گنوا دی ہم نے جو اسلاف سے میراث پائی تھی
ثریا سے زمیں پر آسماں نے ہم کو دے مارا
مگر وہ علم کے موتی، کتابیں اپنے آبا کی
جو دیکھیں انکو یورپ میں تو دل ہوتا ہے سیپارہ[1]

غیر مسلموں کے تہوار منانے کی شرعی ...

نبی کریم ﷺ کی حدیثِ مبارکہ ہے:

"دورِ رسالت مآب ﷺ میں ایک آدمی نے نذر مانی کہ وہ بوانہ کے مَقام پر اونٹ قربان کرے گا۔ تب نبی ﷺ نے فرمایا: کیا وہاں جاہلیت کے بتوں میں سے کوئی بت تو نہیں پوجا جاتا تھا؟ صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کی: نہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: تو کیا وہاں ان کے تہواروں میں سے کوئی تہوار تو منعقد نہیں ہوتا تھا؟ صحابہ ؓ نے عرض کی: نہیں۔ تب آپ نے فرمایا: اپنی نذر پوری کر لو، کیونکہ ایسی نذر کا پورا کرنا درست نہیں جو معصیت ہو یا جو آدمی کے بس سے باہر ہو۔"[2]

اس سے واضح ہوا کہ مسلمان کا ان مشرکانہ مراسم اور مقامات سے دور رہنا شریعت کا کتنا

۱ بانگِ درا از علامہ محمد اقبال ؒ: ۲۰۷
۲ سنن ابو داؤد: ۳۳۱۳

مجلس التحقیق الاسلامی کے زیر اہتمام ملت اسلامیہ کا علمی اور اصلاحی مجلہ

magazine.mohaddis.com

واضح تقاضا ہے۔ فقہاے کرام نے اس مسئلہ (غیر مسلموں کے تہواروں میں شرکت نہ کرنے اور مبارک باد نہ دینے) پر اجماع نقل کیا ہے۔ امیر المومنین عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے شام کے عیسائیوں کو باقاعدہ پابند فرمایا تھا کہ دارالاسلام میں وہ اپنے تہواروں کو کھلے عام نہیں منائیں گے؛ اور اسی پر سب صحابہؓ اور فقہا کا عمل رہا ہے، چنانچہ جس ناگوار چیز کو مسلمانوں کے سامنے آنے سے ہی روکا گیا ہو، مسلمان کا وہیں پہنچ جانا اور شریک ہونا کیوں کر روا ہونے لگا؟ اس کے علاوہ کئی روایات سے حضرت عمرؓ کا یہ حکم نامہ منقول ہے:

"عجمیوں کے اُسلوب اور لہجے مت سیکھو۔ اور مشرکین کے ہاں اُن کے گرجوں میں ان کی عید کے روز مت جاؤ، کیونکہ ان پر اللہ کا غضب نازل ہوتا ہے۔"[1]

علاوہ ازیں کافروں کے تہوار میں شرکت اور مبارک باد کی ممانعت پر حنفیہ، مالکیہ، شافعیہ اور حنابلہ سب متفق ہیں۔[2] فقہائے مالکیہ تو اس حد تک گئے ہیں کہ جو آدمی کافروں کے تہوار پر ایک تربوز کاٹ دے، وہ ایسا ہی ہے گویا اُس نے خنزیر ذبح کر دیا۔[3]

کافر کو اُس کے مشرکانہ تہوار پر مبارکباد دینا کیسا ہے؟ اس پر امام ابن قیم الجوزیہؒ کہتے ہیں:

"یہ ایسا ہی ہے کہ مسلمان اُسے صلیب کو سجدہ کر آنے پر مبارکباد پیش کرے! یہ چیز اس سے کہیں زیادہ سنگین ہے کہ آدمی کسی شخص کو شراب پینے یا ناحق یا حرام شرمگاہ کے ساتھ بدکاری کرنے پر مبارک باد پیش کرے۔"[4]

مندرجہ بالا گفتگو سے یہ مغالطہ نہیں ہونا چاہیے کہ اسلام تنگ نظر دین ہے۔ دینِ اسلام ہرگز تنگ نظری کی تعلیم نہیں دیتا بشرطیکہ حقیقی مذہبی تعلیمات کی خلاف ورزی نہ ہو۔ تعلیماتِ اسلام سے پتہ چلتا ہے کہ انبیا و رُسُل اس کائنات میں سب سے زیادہ برگزیدہ تھے،

۱ اقتضاء الصراط المستقیم از شیخ الاسلام ابن تیمیہ: ۱/ ۴۷۸

۲ البحر الرائق لابن نجیم: ۸/ ۵۵۵؛ المدخل لابن حاج المالکی: ۲/ ۴۶۔۴۸؛ مغنی المحتاج للشربینی: ۴/ ۱۹۱؛ الفتاوی الفقہیہ الکبریٰ لابن حجر ہیثمی: ۴/ ۲۳۸۔۲۳۹؛ کشف القناع للبہوتی: ۳/ ۱۳۱

۳ اقتضاء الصراط المستقیم: ص ۳۵۴

۴ احکام اہل الذمہ از ابن قیم: ۳/ ۲۱۱

مجلس التحقیق الاسلامی کے زیر اہتمام ملت اسلامیہ کا علمی اور اصلاحی مجلہ

magazine.mohaddis.com

لہٰذا وہ لوگ ہمیں اُن سے محبت و عقیدت کی کیا تعلیم دیں گے جن کی اپنی کتابیں ان پر ایسے گندے اور گھناؤنے الزام لگاتی ہیں کہ پڑھنے والے کی شرم سے آنکھیں جھک جاتی ہیں۔ یہ مقدس لوگ تو قیامت تک پوری انسانیت اور زندگی کے لیے رول ماڈل ہیں۔ 'ایک شام مسیح علیہ السلام کے نام والا' فلسفہ بالکل غلط اور ناقص ہے۔ ہر صبح و شام اللہ اور اس کے دین کے نام ہونی چاہیے۔ یہ لوگ محسنوں کی قدر اور رشتوں کا مقام ہمیں کیا بتائیں گے جو اپنے کتوں کو تو اپنے ساتھ سلاتے ہیں مگر اپنے والدین کو اولڈ ہوم چھوڑ آتے ہیں۔ ان کے نزدیک تو تہذیب و تمدن کا مطلب ہی مذہب سے آزادی، ناچ گانا، مصوری، بت تراشی و بت پرستی، مرد و زن کا اختلاط، کثرتِ شراب نوشی، جنسی آوارگی، بے راہ روی، ہم جنس پرستی، سود اور لوٹ کھسوٹ ہے، یعنی ہر طرح کی مادر پدر آزادی جس کے بارے میں اقبال نے کہا تھا:

اُٹھا کر پھینک دو باہر گلی میں نئی تہذیب کے انڈے ہیں گندے[1]

جبکہ اسلام کے نزدیک لفظ تہذیب کا معنی ہی سجانا، آراستہ کرنا، حسین بنانا ہے۔ ہمارے یہاں ہر وہ عمل جزوِ تہذیب ہے جو ہماری شخصیت کو حسین بنائے اور ہمارے کردار کو عظیم بنائے، نیز ہماری دنیا و آخرت کو سنوارے، یہ ہماری تہذیب ہے۔ علم، اخلاص، خدمت اور محبت ہماری تہذیب کے بنیادی اجزا ہیں۔ یہ ہے وہ تہذیب اور اسلام کی بے مثال تعلیم جو نہ صرف انبیاء علیہم السلام کی عصمت، عزت اور مقام و مرتبہ کی حفاظت کا حکم دیتی ہے بلکہ ان کی اطاعت و اتباع اور ان سے ہر وقت محبت اور ہر لمحہ ان کی اطاعت کرنے کا درس دیتی ہے۔

اسلامی تہذیب وقتی طور پر جمود کا شکار ضرور ہے مگر یہ جمود اسلام کا مستقل مقدر نہیں۔ اسلامی تہذیب کا مستقبل بھی اپنے ماضی کی طرح روشن ہے۔ ان شاء اللہ! بقول اقبالؒ:

دلیلِ صبحِ روشن ہے ستاروں کی تنک تابی
اُفق سے آفتاب اُبھرا، گیا دورِ گراں خوابی

---

1 بانگِ درا از علامہ محمد اقبالؒ: ۳۲۳، اقبال اکادمی، ۲۰۰۹ء

مجلس التحقیق الاسلامی کے زیر اہتمام ملت اسلامیہ کا علمی اور اصلاحی مجلہ

magazine.mohaddis.com

پرے ہے چرخِ نیلی فام سے منزل مسلماں کی
ستارے جس کی گردِ راہ ہوں، وہ کارواں تُو ہے

مکاں فانی، مکیں آنی، ازل تیرا، اَبد تیرا
خدا کا آخری پیغام ہے تُو، جاوداں تُو ہے

حِنا بندِ عروسِ لالہ ہے خونِ جگر تیرا
تری نسبت براہیمی ہے، معمارِ جہاں تُو ہے

سبق پھر پڑھ صداقت کا، عدالت کا، شجاعت کا
لیا جائے گا تجھ سے کام دنیا کی امامت کا

یہی مقصودِ فطرت ہے، یہی رمز مسلمانی
اُخوت کی جہانگیری، محبت کی فراوانی

یقیں محکم، عمل پیہم، محبت فاتحِ عالم
جہادِ زندگانی میں ہیں یہ مردوں کی شمشیریں

یقیں افراد کا سرمایۂ تعمیرِ ملت ہے
یہی قوت ہے جو صورت گرِ تقدیرِ ملت ہے

توازِ کُن فکاں ہے اپنی آنکھوں پر عیاں ہو جا
خودی کا رازداں ہو جا، خدا کا ترجماں ہو جا

ہوس نے کر دیا ہے ٹکڑے ٹکڑے نوعِ انساں کو
اُخوت کا بیاں ہو جا، محبت کی زباں ہو جا

ترے علم و محبت کی نہیں ہے انتہا کوئی!
نہیں ہے تجھ سے بڑھ کر سازِ فطرت میں نوا کوئی

نظر کو خیرہ کرتی ہے چمک تہذیب حاضر کی
یہ صنّاعی مگر جھوٹے نگوں کی ریزہ کاری ہے [1]

1 نظم 'طلوعِ اسلام' کے منتخب اشعار... بانگِ درا: ۲۹۷ تا ۳۰۵

مجلس التحقیق الاسلامی کے زیر اہتمام ملت اسلامیہ کا علمی اور اصلاحی مجلہ

magazine.mohaddis.com

فساد و بدامنی کا انسداد اور احادیثِ نبویہ ﷺ

بد امنی اور فساد خاندانوں، معاشروں اور ممالک کو تباہی و بربادی کی طرف دھکیل دیتے ہیں۔ فساد کی صورت میں معاشرتی، معاشی اور سیاسی امن درہم برہم ہو جاتا ہے۔ بد امنی کی فضا میں علوم و فنون کی ترقی رک جاتی ہے اور صنعتی ترقی کے لیے فضا سازگار نہیں رہتی۔ بلند تر اقدار پنپ نہیں سکتیں اور معاشرے کا ہر فرد مستقل طور پر خوف و ہراس کا شکار ہو جاتا ہے۔ اگر افراد زیادہ دیر تک خوف و ہراس کی کیفیت میں مبتلا رہیں تو ان کی صلاحیتیں تباہ ہو جاتی ہیں۔ افراد نفسیاتی مریض بن جاتے ہیں، علوم و فنون کی ترقی مطلوب ہو یا صنعتی ترقی کا پروگرام ہو، صرف پُر امن فضا میں ہی ممکن ہو سکتا ہے، فساد اور بد امنی کی فضا میں تو کوئی شخص رہنا بھی گوارا نہیں کرتا حتیٰ کہ لوگ فساد زدہ علاقوں سے نقل مکانی کر جاتے ہیں۔

اسلام ایک روشن فکر اور فطری دین ہے۔ وہ علوم و فنون اور معاشرت و معیشت میں ترقی چاہتا ہے۔ اسلام یہ بات گوارا نہیں کرتا کہ انسانی زندگی اور اعلیٰ اقدار کے فروغ میں کسی بھی طرح جمود اور تعطل پیدا ہو۔ اس لیے اس نے فتنے فساد کے استیصال اور خاتمے کے لیے مؤثر اور مثبت لائحہ عمل دیا ہے۔ قرآن مجید فتنے فساد کی مذمت بھی کرتا ہے اور اس کے انسداد کے لیے لوگوں کی ذہنی تربیت بھی کرتا ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ وہ عبرت کے لیے حدود و تعزیرات کی صورت میں سزائیں بھی نافذ کرتا ہے تاکہ جن پر کوئی نصیحت اثر نہ کرے، اُنہیں قانون کے شکنجے میں جکڑ کر لاقانونیت سے روکا جا سکے۔

۱ صدر شعبہ علوم اسلامیہ، وڈین کلیہ علوم اسلامیہ، پنجاب یونیورسٹی، لاہور

مجلس التحقیق الاسلامی کے زیر اہتمام ملت اسلامیہ کا علمی اور اصلاحی مجلہ

magazine.mohaddis.com

جھگڑے اور افتراق سے بچنے کا حکم

نبی کریم ﷺ نے لڑائی سے بچنے کا حکم دیا۔ جو شخص لڑائی سے بچتا ہے، آپ ﷺ نے اس کی تعریف اور حوصلہ افزائی فرمائی۔

① ابو داؤد شریف میں في كراهية المراء یعنی لڑائی، جھگڑے کی ناپسندیدگی کے عنوان کے تحت یہ حدیث بیان کی گئی ہے کہ نبی ﷺ جب کسی عامل کو کسی جگہ تعینات فرماتے تو اسے ہدایت کرتے کہ «بشّروا ولا تنفروا، يسّروا ولا تعسّروا»[1] "خوشخبری دینا، نفرت پیدا نہ کرنا۔ آسانیاں پیدا کرنا، مشکلات اور دقتیں پیدا نہ کرنا۔" اس حدیث کو اس عنوان کے تحت بیان کرنے کا مقصد یہ ہے کہ ایسی فضا پیدا کرنا جس میں لوگوں کے درمیان لڑائی جھگڑا نہ ہو، لوگ آپس میں ایک دوسرے کے لیے سہولتیں پیدا کرنے والے ہوں، جھگڑالو نہ ہوں، مسلمان ولی الامر کی ذمہ داری ہے۔

② نبی کریم ﷺ کے اخلاقِ کریمانہ کا ایک پہلو یہ بھی ہے کہ آپ ﷺ نے کبھی کسی سے جھگڑا نہیں کیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

«مَنْ تَرَكَ الْكَذِبَ وَهُوَ بَاطِلٌ بُنِيَ لَهُ فِي رَبَضِ الْجَنَّةِ وَمَنْ تَرَكَ الْمِرَاءَ وَهُوَ مُحِقٌّ بُنِيَ لَهُ فِي وَسَطِهَا وَمَنْ حَسَّنَ خُلُقَهُ بُنِيَ لَهُ فِي أَعْلَاهَا»[2]

"جس نے باطل چیز (جس پر اس کا حق نہیں تھا) کے لیے جھوٹ بولنا چھوڑ دیا، اللہ اس کے لیے جنّت کے کنارے پر محل تیار کرے گا اور جس نے حق پر ہونے کے باوجود جھگڑے سے اجتناب کیا تو اللہ جنّت کے وسط میں اس کے لیے محل تیار کرے گا اور جس نے (نہ صرف جھگڑا کرنے سے اجتناب کیا بلکہ) حسن خلق کا مظاہرہ کیا تو اس کے لیے جنت کے اعلیٰ درجے میں محل تیار کر دیا جائے گا۔"

③ سنن ابو داؤد میں روایت ہے کہ حضرت سائب کہتے ہیں:

"میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ لوگ میرا ذکر اور تعریف کرنے

۱ صحیح مسلم: ۴۵۲۵
۲ جامع ترمذی: ۱۹۹۳

مجلس التحقیق الاسلامی کے زیر اہتمام ملت اسلامیہ کا علمی اور اصلاحی مجلہ

magazine.mohaddis.com

لگے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: میں تمہاری نسبت اس سے زیادہ واقف ہوں۔ میں نے کہا کہ میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں، آپ سچ فرماتے ہیں۔ آپ ﷺ میرے شراکت دار تھے، اور بہت ہی خوب شراکت دار تھے۔ نہ آپ لڑائی کرتے نہ جھگڑا کرتے۔"[1]

گروہوں کی مرکزیت اور نظم اجتماعی سے جدا ہونے کی ممانعت

نبی کریم ﷺ نے اس بات سے منع فرمایا کہ لوگ اتحاد کی بجائے تفرقے میں پڑ جائیں۔ ظاہر ہے جب لوگ گروہوں میں بٹ جائیں تو فتنہ فساد ہی برپا ہو گا۔

① صحیح بخاری و مسلم میں حدیثِ نبویؐ منقول ہے، آپ ﷺ نے فرمایا:

«مَنْ خَرَجَ مِنَ السُّلْطَانِ شِبْرًا مَاتَ مِيتَةً جَاهِلِيَّةً»[2]

"جو کوئی سلطان کی اطاعت سے بالشت بھر دور ہوا اور اس حال میں اس کی موت واقع ہوئی تو اس کی موت جاہلیت کی موت ہے۔"

② صحیح مسلم میں فرمانِ نبوی ﷺ ہے:

«مَنْ أَتَاكُمْ وَأَمْرُكُمْ جَمِيعٌ عَلَى رَجُلٍ وَاحِدٍ يُرِيدُ أَنْ يَشُقَّ عَصَاكُمْ أَوْ يُفَرِّقَ جَمَاعَتَكُمْ فَاقْتُلُوهُ»[3]

"کوئی شخص تمہارے پاس آئے اور تم اپنے معاملے میں ایک شخص پر متفق ہو۔ تم میں پھوٹ ڈالنا چاہے تمہاری اجتماعیت کو پارہ پارہ کرنا چاہے تو اسے قتل کر دو۔"

بدامنی اور فتنے کے زمانے میں نبی کریم ﷺ نے ہمیں یہی تلقین فرمائی ہے کہ ہم اتحاد و یگانگت اور نظم و ضبط کو ہاتھ سے جانے نہ دیں۔

③ حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے اپنے بعد آنے والے فتنوں کا ذکر فرمایا تو میں نے پوچھا کہ اگر میں اس زمانے میں موجود ہوں تو کیا کروں؟

---

۱ سنن ابو داؤد: ۴۸۳۶
۲ صحیح بخاری: ۷۰۵۳
۳ صحیح مسلم: ۴۸۹۰

مجلس التحقیق الاسلامی کے زیر اہتمام ملت اسلامیہ کا علمی اور اصلاحی مجلہ

magazine.mohaddis.com

آپ نے فرمایا: «تلزم جماعةَ المسلمين وإمامَهم»

"مسلمانوں کی جماعت سے منسلک رہنا اور ان کے امام سے تعلق قائم رکھنا۔

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے پوچھا: اگر مسلمانوں کی جماعت اور ان کا امام موجود نہ ہوں تو پھر کیا کروں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تو پھر سب فرقوں کو چھوڑ دے اور اگرچہ ایک درخت کی جڑ چباتے چباتے تو مر جائے۔"[1]

آپ کے بیان کا مقصود و مدعا یہ ہے کہ مرتے دم تک مسلمانوں کی جماعت کا ساتھ دینا اور امام کی اطاعت کرتے رہنا۔ کیونکہ اس سے طوائف الملوکی، بدنظمی اور انتشار پیدا ہوتا ہے جس سے مملکت کمزور یا مکمل طور پر ختم ہو جاتی ہے۔ دیگر روایات موجود ہیں جن میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ امیر کی اطاعت ہر حالت میں جاری رکھی جائے۔ فتنے وفساد کے حالات میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا طرزِ عمل اختیار کرنے کی تلقین فرمائی جس میں فرد کا نقصان کم سے کم ہوتا ہے۔

④ فرد اگر جماعت سے کٹ جائے تو اس میں اس کا نقصان زیادہ ہوتا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے افراد کو فرداً فرداً بکھر جانے کی کسی صورت اجازت نہیں دی، بلکہ اپنے آپ کو نظم میں پروئے رکھنے کا حکم دیا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے واشگاف الفاظ میں ہمیں متنبہ فرمایا کہ میرے بعد ایک دوسرے کی گردنیں نہ کاٹنے لگ جانا۔ فرمایا:

«لَا تَرْجِعُوا بَعْدِي كُفَّارًا يَضْرِبُ بَعْضُكُمْ رِقَابَ بَعْضٍ»[2]

"میرے بعد کفر کی طرف نہ لوٹ جانا کہ ایک دوسرے کی گردنیں مارنے لگ جاؤ۔"

فتنہ اور قتل وغارت سے گریز

① آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فتنے فساد کے دور کی نشاندہی فرمائی اور اس دور میں ایک مسلمان کے طرزِ عمل کے بارے میں راہنمائی بھی فرمائی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«مَا مِنْ مُسْلِمَيْنِ الْتَقَيَا بِأَسْيَافِهِمَا إِلَّا كَانَ الْقَاتِلُ وَالْمَقْتُولُ فِي النَّارِ»[3]

۱ صحیح مسلم: ۴۸۹۰
۲ سنن ابو داود: ۴۲۴۴
۳ سنن ابن ماجہ: ۳۹۶۳

مجلس التحقیق الاسلامی کے زیر اہتمام ملت اسلامیہ کا علمی اور اصلاحی مجلہ

magazine.mohaddis.com

"جب دو مسلمان آپس میں تلوار لے کر لڑیں تو قاتل اور مقتول دونوں جہنم میں جائیں گے۔"

آپ ﷺ نے مقتول کے جہنمی ہونے کا سبب یہ بیان فرمایا کہ وہ بھی تو دوسرے کو قتل کرنے کے لیے تلوار لے کر نکلا تھا۔ اگر اس کا داؤ چلتا تو یہ اسے قتل کر دیتا۔ اب دوسرے کا داؤ چل گیا۔

② نبی کریم ﷺ نے فتنے اور بدامنی کے ماحول میں خصوصی طور پر ہدایات دی ہیں۔ آپ نے فرمایا: «إِيَّاكُمْ وَالْفِتَنَ فَإِنَّ اللِّسَانَ فِيهَا مِثْلُ وَقْعِ السَّيْفِ»[1]

"فتنوں سے بچو کیونکہ ایسی صورت میں زبان تلوار سے بھی بدتر کردار ادا کرتی ہے۔"

③ جب مسلمانوں کے اندر فتنہ فساد پیدا ہو جائے اور اس بات کی وضاحت نہ ہو رہی ہو کہ سچا کون ہے اور جھوٹا کون، تو ان سب سے کنارہ کشی اختیار کر لو۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

«الْقَاعِدُ فِيهَا خَيْرٌ مِنَ الْقَائِمِ وَالْمَاشِي فِيهَا خَيْرٌ مِنَ السَّاعِي فَكَسِّرُوا قِسِيَّكُمْ وَقَطِّعُوا أَوْتَارَكُمْ وَاضْرِبُوا سُيُوفَكُمْ بِالْحِجَارَةِ فَإِنْ دُخِلَ يَعْنِي عَلَى أَحَدٍ مِنْكُمْ فَلْيَكُنْ كَخَيْرِ ابْنَيْ آدَمَ»[2]

"فتنے کے زمانے میں جو شخص بیٹھا ہے وہ کھڑے ہوئے شخص سے بہتر ہے اور کھڑا ہوا شخص اس شخص سے بہتر ہے جو چل رہا ہے اور جو چل رہا ہے وہ بہتر ہے اس سے جو دوڑ رہا ہو۔ ان فتنوں میں اپنی کمانیں توڑ ڈالو۔ کمانوں کے چلّے کاٹ ڈالو اور اپنی تلواریں پتھر پر مار کر کند کر دو۔ اگر کوئی فتنہ باز کسی کے گھر میں گھس آئے کہ اسے قتل کرے تو وہ ایسا ہی کرے جیسا آدم علیہ السلام کے بیٹوں میں سے اُس نے کیا تھا جو بہتر تھا۔"

ان تمام فرامین کا مفہوم و مقصود یہی ہے کہ ان فتنوں میں شریک نہ ہوا جائے، اگر کوئی زیادتی کر بھی جائے تو محض امن وامان کی خاطر اس کی زیادتی کو برداشت کر لو۔

④ آپ ﷺ نے فرمایا: "عنقریب ایک فتنہ پیدا ہو گا اور مسلمانوں میں اختلاف پیدا ہو گا

۱ سنن ابن ماجہ: ۳۹۶۸
۲ سنن ابو داؤد: ۴۲۵۹

مجلس التحقیق الاسلامی کے زیر اہتمام ملت اسلامیہ کا علمی اور اصلاحی مجلہ

magazine.mohaddis.com

جب یہ زمانہ آئے تو اپنی تلوار لے کر اُحد پہاڑ پر چلا جا اور تلوار کو اس پر مار یہاں تک کہ یہ ٹوٹ جائے۔[1]

مسلمانوں میں تعصبات اور گروہ بندی کی مذمت اور اس کا خاتمہ

پوری دنیا میں اس وقت مختلف عصبیتوں سے زہر آلود ہو چکی ہے۔ لوگ رنگ و نسل، مذہب اور زبان کی عصبیتوں میں پھنسے ہوئے ہیں۔ نبی کریم ﷺ نے ان تمام عصبیتوں کا بڑی شدت سے خاتمہ فرمایا۔

① آپ ﷺ نے فرمایا:

بے شک اللہ عزوجل نے جاہلیت کا عیب اور اپنے آبا پر فخر کرنا تم سے دور کر دیا ہے، یعنی تمہیں ایسا کرنے سے منع کر دیا گیا ہے۔ انسان دو طرح کے ہی ہیں: متقی مؤمن اور دوسرا بد کردار، سخت دل والا۔ تم سب آدم کی اولاد ہو اور آدم مٹی سے پیدا ہوئے تھے۔"[2]

اس کے مقابلے میں قرآنِ مجید نے ہمیں یہ تصور دیا کہ سب مسلمان آپس میں برابر ہیں۔ کسی کو کسی پر کوئی برتری نہیں کہ وہ دوسروں سے اپنے آپ کو برتر سمجھ کر انہیں ادنیٰ انسان سمجھنے لگے۔

② آپ ﷺ نے فرمایا: "عصبیتِ جاہلیہ یہ ہے کہ تو ظلم و زیادتی کے کاموں میں بھی اپنی قوم کی حمایت کرے۔"[3]

گویا نبی کریم ﷺ نے قوم کا ساتھ دینے کی حدیں بھی بیان فرما دیں کہ قوم کی مدد صرف اس حد تک ہو کہ قوم کا موقف حق و انصاف پر مبنی ہو۔ جتھے بندی، گروہی سیاست اور پریشر گروپ تشکیل دے کر ذاتی گروہی اور سیاسی مفادات حاصل کرنے کی خاطر دوسروں کی مدد کرنا اور جو مفاد پرست اپنی قوم کی حمایت کرے وہ اس اونٹ کی مانند ہے جو کنویں میں گر پڑے اور

۱ سنن ابو داؤد: ۴۲۴۶

۲ سنن ابو داؤد: ۵۱۱۶

۳ سنن ابن ماجہ: ۳۹۴۹؛ سنن ابو داود: ۵۱۱۹

مجلس التحقیق الاسلامی کے زیر اہتمام ملت اسلامیہ کا علمی اور اصلاحی مجلہ

magazine.mohaddis.com

اسے دم سے پکڑ کر باہر نکالا جائے۔[1]

نبی کریم ﷺ اپنے فہم و فراست کی بنیاد پر اس بات سے آگاہ تھے کہ اگر پرانے قبائلی تعصبات نے دوبارہ سر اُٹھالیا تو ان تعصّبات کو دبایا نہیں جاسکے گا۔ اس لیے آپ ﷺ نے بڑی سختی کے ساتھ تعصّبات کا استیصال فرمادیا۔

ان تمام احادیث کی روشنی میں دیکھا جاسکتا ہے کہ آپ ﷺ نے تمام عصبیتوں کا استیصال فرمادیا ہے۔ سیاسی مفادات اور جتھا بندی کی خاطر لسانی، علاقائی اور نسلی تعصب کو اُچھالا جاتا ہے۔ ان تعلیمات کی روشنی میں پاکستان میں قوانین تشکیل دیے جائیں کہ کسی بھی مذہبی، سیاسی جماعت اور گروہ کو اس بات کی اجازت نہ ہو کہ گروہی بنیادوں پر کوئی تحریر اور لٹریچر طبع کروائے۔ اس سلسلے میں حکومت ایک مخصوص شعبہ تشکیل دے کر یہ ذمہ داری اس کے سپرد کردے کہ وہ کسی بھی طرح کی عصبیت اور گروہ بندی کا مواد منظر عام پر نہ آنے دے۔ موجودہ سنسر شپ کے نظام کا دائرہ وسیع کیا جاسکتا ہے۔ کوئی گروہی تحریر چھپوانے پر پابندی لگادی جائے اور اشتعال پیدا کرنے والے مواد کو چھاپنے والے پریس کو پابند کر دیا جائے کہ قانون کی خلاف ورزی کی صورت میں شدید سزا دی جاسکتی ہے۔ اس طرح کا مواد تقسیم کرنے والے، لکھنے والے اور اس کام میں کسی بھی طرح کی معاونت کرنے والے کو سزا کا مستوجب قرار دیا جائے۔

اسلام بدامنی اور فتنے فساد کو ناپسند کرتا ہے۔ وہ کسی ایسی حرکت اور فعل کو روا نہیں رکھتا جو بدامنی پر منتج ہو۔ عربوں کی عادت تھی کہ جب جنگ کے لیے نکلتے تو راستے میں لوگوں کو تنگ کرتے۔ بدامنی پھیلاتے، شور و ہنگامہ کرتے، لوگوں کے لیے راستہ پر چلنا مشکل ہو جاتا۔ آپ کے پاس اس کی شکایت پہنچی۔ اس پر آپ ﷺ نے اعلان فرمادیا:

«أَنَّ مَنْ ضَيَّقَ مَنْزِلًا أَوْ قَطَعَ طَرِيقًا فَلَا جِهَادَ لَهُ»[2]

"جس نے راستے کو تنگ کیا یا راہگیروں کو تنگ کیا اس کا جہاد نہیں ہوگا۔"

۱ سنن ابوداود: ۵۱۱۷

۲ سنن ابوداود: ۲۶۲۹

مجلس التحقیق الاسلامی کے زیر اہتمام ملت اسلامیہ کا علمی اور اصلاحی مجلہ

magazine.mohaddis.com

ابو ثعلبہ خشنی کا بیان ہے کہ اس کے بعد کیفیت یہ ہو گئی تھی کہ جب کبھی فوج کسی جگہ اُترتی تو اس کا گنجان پڑاؤ دیکھ کر ایسا معلوم ہوتا تھا کہ اگر ایک چادر تان دی جائے تو سب اُسکے نیچے سما جائیں گے۔[1]

اسی طرح جنگ کے سفر کے دوران شور وہنگامہ بپا ہوتا۔ اس کا نام ہی دغی پڑ گیا تھا۔ نبی کریم ﷺ نے اس طریق کار میں بھی اصلاح فرمائی۔ حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک سفر میں ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ تھے جب کسی وادی میں پہنچتے تو زور وشور سے تکبیر و تہلیل کے نعرے بلند کرتے۔ اس پر آپ ﷺ نے فرمایا کہ لوگو! وقار کے ساتھ چلو تم جس ہستی کو پکار رہے ہو، وہ نہ بہرا ہے اور نہ غائب۔ وہ تمہارے ساتھ ہے، وہ سب سنتا ہے اور بہت قریب ہے۔[2]

دنیا کو شائستگی اور تہذیب سکھانے میں ان اصلاحات نے بڑا مؤثر کردار ادا کیا۔ ان تعلیمات سے لوگوں کے ذہن اس انداز سے ڈھل گئے کہ وہ معمول کی زندگی میں بھی تہذیب وشائستگی کا دامن نہیں چھوڑتے تھے۔ نبی کریم ﷺ نے وہ تمام بنیادیں مسمار فرمادیں جو باہم عداوتیں پیدا کرتی اور فتنہ فساد کا سبب بنتی ہیں۔

ابو داؤد شریف میں روایت ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نبی کریم ﷺ کے ساتھ ایک سفر پر تھے۔ ایک شخص سو گیا اور کسی دوسرے نے اس کی رسّی جو وہ اپنے ساتھ لے کر سو رہا تھا، مذاق میں اٹھالی تاکہ وہ پریشان ہو۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

«لَا يَحِلُّ لِمُسْلِمٍ أَنْ يُرَوِّعَ مُسْلِمًا»[3]

"مسلمان کے لیے یہ حلال نہیں کہ وہ دوسرے مسلمان کو مرعوب وخوفزدہ کرے۔"

فساد کا سبب بننے والا کام بھی نہ کیا جائے

مولانا بدر عالم میرٹھی 'ترجمان السنۃ' میں واقدی اور ابن عساکر کے حوالے سے یہ واقعہ بیان

۱ سنن ابو داود: ۲۶۲۸
۲ صحیح بخاری: ۲۹۹۲
۳ سنن ابو داؤد: ۵۰۰۴

مجلس التحقیق الاسلامی کے زیر اہتمام ملت اسلامیہ کا علمی اور اصلاحی مجلہ

magazine.mohaddis.com

فرماتے ہیں کہ حضرت زید بن ثابت خندق کے موقع پر کھدائی کر رہے تھے۔ اس وقت ان کی عمر ۱۵ برس تھی۔ انہیں نیند آ گئی اور وہ سو رہے تھے کہ کسی نے مزاحاً اُن کے ہتھیار اٹھا لیے۔ بیدار ہونے کے بعد اُنہوں نے نبی کریم ﷺ سے شکایت کی۔ آپ ﷺ نے پوچھا: اس نوجوان کے ہتھیاروں کی کس کو خبر ہے؟ عمارہ بن حزم بولے کہ میں نے لیے ہیں۔ وہ اُنہوں نے واپس کر دیے۔

"آپ ﷺ نے منع فرمایا کہ کسی مؤمن کو پریشان کیا جائے اور اس کا سامان ہنسی میں یا حقیقت میں اُٹھا لیا جائے۔"[1]

سنن ابو داؤد میں روایت ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

«لَا يَأْخُذَنَّ أَحَدُكُمْ مَتَاعَ أَخِيهِ لَاعِبًا وَلَا جَادًّا»[2]

"تم میں سے کوئی اپنے بھائی کی کوئی چیز ہنسی مزاح یا اس کی اہانت کرنے یا تنگ کرنے کے لیے نہ اُٹھائے۔"

مسند بزار میں روایت ہے کہ ایک شخص نے دوسرے شخص کا جوتا اُٹھایا اور اسے غائب کر دیا۔ وہ اس سے مزاح کر رہا تھا، اس بات کا ذکر رسول اللہ ﷺ کے سامنے کیا گیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: «لَا تُرَوِّعُوا الْمُسْلِمَ، فَإِنَّ رَوْعَةَ الْمُسْلِمِ ظُلْمٌ عَظِيمٌ»[3]

"تم مسلمان کو نہ ڈراؤ، بے شک مسلمان کو ڈرانا بہت بڑا ظلم ہے۔"

کسی بھی فتنے اور بدامنی کی فضا سے بچنے کے لیے اسلام کی حکمت عملی کمال احتیاط پر مبنی ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا کوئی شخص اسلحہ یا اور ایسی چیز جس سے کسی کو تکلیف یا زخم پہنچنے کا خدشہ ہو سکتا ہو، غیر محتاط انداز سے لے کر نہ چلے۔ ابو داود میں روایت ہے کہ نبی ﷺ نے ایک شخص کو حکم فرمایا جو مسجد میں تیر لے کر جا رہا تھا کہ وہ جب تیروں کو لے کر نکلے تو ان کی

۱ تاریخ مدینہ دمشق: ۱۹/ ۳۱۳
۲ صحیح مسلم: ۵۰۰۳
۳ مسند بزار: ۳۸۱۶، ضعیف الترغیب والترہیب: ۱۶۶۱

مجلس التحقیق الاسلامی کے زیر اہتمام ملت اسلامیہ کا علمی اور اصلاحی مجلہ

magazine.mohaddis.com

نوکوں کو پکڑ کر رکھے، ایسا نہ ہو اس کی نوک کسی کو لگ جائے۔[1]

مسلم شریف میں روایت ہے کہ ایک شخص تیر لے کر مسجد میں آیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ انہیں پیکانوں سے پکڑ لو۔ دوسری حدیث میں وضاحت ہے کہ پیکانوں سے پکڑ لو ایسا نہ ہو کہ کسی کو لگ جائے۔ ابو موسیٰؓ کہتے ہیں کہ "خدا کی قسم! ہم نہیں مرے کہ اس کے بعد ہم نے تیر دوسروں کے منہ پر ہی مارا۔ یعنی تیر چلایا تو جنگ کے دوران ہی چلایا۔"[2]

اس بے احتیاطی کی عملی شکلیں ہم اخبارات میں پڑھتے رہے ہیں کہ بے احتیاطی سے بندوق صاف کرتے ہوئے سامنے والے کو گولی لگ گئی۔ نبی کریم ﷺ کے ان فرامین کا اطلاق اگر ہم اس طرح کی صورت حال پر کریں تو کہا جا سکتا ہے کہ کوئی شخص بندوق وغیرہ صاف کرتے ہوئے اس بات کی احتیاط کر لے کہ پہلے اچھی طرح دیکھ لے کہ کہیں اس کے اندر کوئی گولی تو موجود نہیں۔ اسی طرح آپ ﷺ کے ان فرامین کا اطلاق شادی بیاہ کے موقع پر ہونے والی آتش بازی اور فائرنگ پر بھی کیا جا سکتا ہے کہ اس موقع پر خوشی اور جذبات میں کئی دفعہ من چلے نوجوان حادثات کر بیٹھتے ہیں۔ باشعور شہریوں میں اتنا شعور ہونا چاہیے کہ کیا خطرناک کام کر کے ہی خوشی کا اظہار ہو سکتا ہے؟ اسی طرح بسنت وغیرہ کے موقع پر ہونے والی آتش بازی کے حوالے سے ان احادیث سے راہنمائی حاصل کی جا سکتی ہے کہ اس طرح کے مواقع پر بھی غیر ذمہ دارانہ انداز سے فائرنگ کی جاتی ہے۔

اس کے برعکس نبی کریم ﷺ نے تو مسلمان کو تلقین کی ہے کہ وہ اس بات کو اپنی زندگی کا حصہ بنائے کہ اگر وہ کوئی ایسی چیز دیکھے جس سے دوسرے کو تکلیف ہو سکتی ہو تو اسے چاہیے کہ وہ اس اذیت دینے والی چیز کو راستہ سے ہٹا دے۔ اس سلسلے میں ایک روایت میں ایک پتھر ہٹانے، ایک میں ایک درخت کی ٹہنی ہٹانے جو لوگوں کو تکلیف دیتی تھی، ایک روایت میں راستے میں کانٹا ہٹا دینے پر انسان کو مغفرت کی بشارت دی گئی ہے۔

گویا ان احادیث میں فرمایا گیا کہ اسلام اس بات کو بھی گوارا نہیں کرتا کہ کسی مسلمان کے

---

۱ سنن ابو داود: ۲۵۸۷

۲ صحیح مسلم: ۶۶۶۴، ۶۶۶۲

مجلس التحقیق الاسلامی کے زیر اہتمام ملت اسلامیہ کا علمی اور اصلاحی مجلہ

magazine.mohaddis.com

ہاتھ سے غیر ارادی طور پر کسی دوسرے مسلمان کو نقصان اور تکلیف پہنچے۔ چہ جائیکہ مسلمان دوسروں کے خلاف ہتھیار بند ہو کر لڑے۔ فرمایا گیا کہ ایسا نہ ہو کہ غیر ارادی طور پر تیر کی نوک کسی کو لگ جائے اور وہ تکلیف کی حالت میں مشتعل ہو کر جوابی حملہ کر دے حالانکہ اس میں دوسرے شخص کی نیت داخل نہ تھی۔ اسی طرح نبی کریم ﷺ نے ننگی تلوار لے کر چلنے سے بھی منع فرمایا۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں:

«نَهَى رَسُولُ اللهِ ﷺ أَنْ يُتَعَاطَى السَّيْفُ مَسْلُولًا»[1]

"نبی ﷺ نے کسی کو ننگی تلوار دینے (پکڑانے) سے منع فرمایا (مبادا اس کو اچانک لگ جائے)۔"

شریعتِ اسلامیہ کا مزاج یہ ہے کہ وہ ان اسباب کا بھی تدارک کرتی ہے جو کسی خرابی کا سبب بنتے ہیں۔ زیر بحث موضوع کے حوالے سے نبی ﷺ کا یہ حکم بڑا اہم ہے کہ آپ نے فتنے فساد کے زمانے میں ہتھیاروں کے عام کاروبار کو ممنوع قرار دیا ہے تاکہ فساد کی جڑ کٹ جائے۔

نبی کریم ﷺ کے احکام پر عمل درآمد کرانا اسلامی حکومت کی ذمہ داری ہے۔ اس بنا پر یہ اُصول اَخذ کیا جاسکتا ہے کہ اسلامی حکومت فتنے فساد کے زمانے میں ہتھیاروں کی تیاری، ان کی خرید و فروخت پر سرکاری طور پر پابندی لگادے۔ اگر تحفظ کے لیے اسلحہ عوام کی ضرورت ہو تو اسے محدود دائرے میں خصوصی اجازت اور لائسنس کے ساتھ ان کے درست استعمال کی ضمانت کے ساتھ اسلحہ رکھنے کی اجازت دی جاسکتی ہے۔ اسلحہ کی سمگلنگ روکنا بھی اسلامی حکومت کی ذمہ داری ہے۔

ان احادیث سے پتہ چلتا ہے کہ اسلام یہ بات گوارا نہیں کرتا کہ اسلحہ کی نمائش کی جائے۔ نمائش کے دوران کوئی بھی ناخوشگوار واقعہ پیش آسکتا ہے۔ ایسا اکثر اسلحہ کی نمائش کے دوران ہوتا ہے، ان احادیث میں اس بات کی واضح ممانعت موجود ہے۔ اس رجحان کا ایک مزید برا نتیجہ یہ ہوسکتا ہے کہ اگر دوسرا فریق بھی اسی طرح اسلحہ لیکر نکل آئے تو فساد برپا ہوسکتا ہے۔ اسلحہ کی نمائش کا برا نتیجہ یہ بھی ہے کہ دوسرے کو مرعوب کرنا غرور اور تکبر کا مظاہرہ بھی ہے۔

[1] جامع ترمذی: ۲۱۶۳

مجلس التحقیق الاسلامی کے زیر اہتمام ملت اسلامیہ کا علمی اور اصلاحی مجلہ

magazine.mohaddis.com

مل جل کر زندگی گزارتے ہوئے لوگوں کے درمیان اختلافات کا پیدا ہونا ایک فطری امر ہے۔ نبی کریم ﷺ نے اس شخص کے لیے بڑے انعام کا ذکر فرمایا جو باہمی نزاعی معاملات میں ضبط و تحمل اور عفو و درگزر سے کام لیتے ہوئے کشیدگی سے اجتناب کرتا ہے۔ بلکہ اس موقع پر تو شریعت اسلامیہ میں بڑی وسعت پائی جاتی ہے کہ دونوں فریقوں کے درمیان صلح کروانے کے لیے اگر کچھ جھوٹ بھی بولنا پڑے تو اس کی بھی اجازت ہے۔ مسلم شریف میں روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

«لَيْسَ الْكَذَّابُ الَّذِي يُصْلِحُ بَيْنَ النَّاسِ فَيَنْمِي خَيْرًا أَوْ يَقُولُ خَيْرًا»[1]

"وہ شخص جھوٹا نہیں جو لوگوں میں صلح کروائے اور بہتر بات کہے۔"

صلح کے لیے جھوٹ بولنے کی وضاحت یوں کی گئی ہے کہ صلح کروانے والا دونوں فریقوں کو عمدہ اور صلح کی طرف آگے لے جانے والی باتیں بتلائے کہ ان کے درمیان بدگمانیاں اور اشتعال پیدا کرنے والی باتیں کم ہوں۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

"کیا میں تمہیں روزے نماز اور صدقے سے بھی بڑھ کر ایک عمل کے بارے میں نہ بتاؤں؟ صحابہ نے کہا کہ بتائیں۔ فرمایا: دو بندوں کے درمیان صلح کروانا۔"[2]

مشتعل انگیز رویے کی ممانعت

نبی کریم ﷺ نے فتنے فساد کے محرکات کا مستقل طور پر سدِ باب کر کے ان اسباب کا تدارک فرمادیا جو اس کا سبب بنتے ہیں۔ اس سلسلے میں اسلام کا نظامِ اخلاق سنگِ میل کی حیثیت رکھتا ہے۔ غصہ وہ بنیادی جڑ ہے جو فساد کے آغاز کا سبب بنتا ہے۔ قرآن میں ہے کہ غصے کو قابو میں رکھنے والے اللہ کو بہت محبوب ہیں۔ فرمایا:

﴿وَالْكَاظِمِينَ الْغَيْظَ وَالْعَافِينَ عَنِ النَّاسِ ۗ وَاللَّهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِينَ﴾[3]

"وہ لوگ جو اپنے غصہ پر قابو رکھتے ہیں اور لوگوں کو معاف کر دیتے ہیں اور اللہ نیکی

۱ صحیح مسلم: ۶۶۳۳
۲ سنن ابو داود: ۴۹۱۹
۳ آلِ عمران: ۱۳۴

مجلس التحقیق الاسلامی کے زیر اہتمام ملت اسلامیہ کا علمی اور اصلاحی مجلہ

magazine.mohaddis.com

کرنے والوں کو پسند فرماتا ہے۔"

قرآنِ مجید اور احادیثِ نبوی میں واضح کیا گیا ہے کہ غصہ شیطان کے اشتعال کے نتیجے میں پیدا ہوتا ہے۔ اسی لیے فرمایا: ﴿وَ اِمَّا يَنۡزَغَنَّكَ مِنَ الشَّيۡطٰنِ نَزۡغٌ فَاسۡتَعِذۡ بِاللّٰهِ﴾[1]

"جب شیطان تمہارے دلوں میں اشتعال پیدا کرے تو تم اللہ کی پناہ طلب کیا کرو۔"

نبی کریم ﷺ نے بھی اس کی توضیح فرمائی کہ شیطان اس بات سے تو مایوس ہو گیا ہے کہ اس کی پوجا کی جائے لیکن یہ لوگوں کو آپس میں بھڑکائے گا۔ فرمایا کہ شیطان اپنے کارندوں کو بھیجتا ہے کہ لوگوں کو بھڑکائیں اور اس کے نزدیک سب سے بڑا مقرب وہ کارندہ ہوتا ہے جو لوگوں کو بھڑکاتا ہے۔ اس کے کارندے اس کے سامنے اپنی اپنی کارگزاری پیش کرتے ہیں اور جن جن جرائم کا ارتکاب انہوں نے لوگوں کو اکسا کر کروایا ہوتا ہے ان کا ذکر کرتے ہیں لیکن بڑا شیطان لڑائی کے لیے بھڑکانے والے کارندے پر سب سے زیادہ خوش ہوتا ہے۔[2]

نبی کریم ﷺ نے دشمن کے اس وار کو ناکام بنانے کا حکم فرمایا کہ

«لَيۡسَ الشَّدِيدُ بِالصُّرَعَةِ إِنَّمَا الشَّدِيدُ الَّذِي يَمۡلِكُ نَفۡسَهُ عِنۡدَ الۡغَضَبِ»[3]

"پہلوان وہ شخص نہیں جو بدلہ لینے میں زیادہ سخت ہو بلکہ طاقتور وہ ہے جو غصے کے وقت اپنے آپ پر قابو رکھے۔"

آپ ﷺ نے غصے کا علاج بھی مختلف طریقوں سے بیان فرمایا۔ غصے کی حالت میں نبی کریم ﷺ نے وضو کرنے کا حکم بھی دیا۔ اس سے شیطان کی حوصلہ شکنی ہوتی ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ غصے کی حالت میں اگر کوئی کھڑا ہے تو بیٹھ جائے۔"[4]

بہت سے جرائم کا محرک فوری اشتعال ہوتا ہے جسے قانون کی زبان میں Sudden Provocation کہا جاتا ہے۔ یہ کیفیت غصّے سے ہی پیدا ہوتی ہے۔ قرآن نے اس کے

1 الاعراف: ۲۰۰
2 مسند احمد: ۳/۳۱۴
3 صحیح بخاری: ۶۱۱۴
4 سنن ابو داود: ۴۷۸۲

مجلس التحقیق الاسلامی کے زیر اہتمام ملت اسلامیہ کا علمی اور اصلاحی مجلہ

magazine.mohaddis.com

مقابلے میں صبر، عفو و درگزر اور احسان کی تعلیم دی اور لوگوں کو ترغیب دی کہ اگر وہ غصہ کی حالت میں انتقامی کاروائی نہ کریں تو یہ بات اللہ کو بات پسند آتی ہے۔[1]

قرآن مجید کہتا ہے کہ "اگر تم زیادہ کا بدلہ لینا چاہو تو لے سکتے ہو لیکن اگر تم معاف کر دو تو یہ باعثِ اجر ہو گا۔" لیکن بدلہ لینے میں بھی تمہیں اس بات کو ملحوظ رکھنا ہو گا کہ "جس قدر زیادتی تمہارے ساتھ کی گئی ہے، بدلہ اسی قدر لیا جائے۔"[2] اس سلسلے میں قرآن مجید کا نظریہ یہ ہے کہ برائی کا بدلہ برائی کی صورت میں دینے کے بجائے برائی کو اچھائی اور حسن سلوک سے مٹاؤ۔ اس طریق کار کا نتیجہ یہ ہو گا کہ تمہارا بدترین دشمن بہترین دوست بن جائے گا۔"[3]

قرآن اس بات کی ضمانت دیتا ہے کہ "کسی کی زیادتی پر صبر کر جانا اپنے نتیجے کے اعتبار سے بدلہ لینے سے بہتر نتائج پیدا کرے گا۔"[4]

قرآن یہ تعلیم بھی دیتا ہے کہ "اگر تم لوگوں کی غلطیاں معاف کرو گے تو اللہ تعالیٰ تمہاری غلطیوں پر بھی پردہ ڈالیں گے۔"[5]

غرض قرآنِ مجید نے کسی بھی طرح کے اشتعال کی حوصلہ شکنی ہی نہیں کی بلکہ اشتعال کا سبب بننے والے کاموں کا سدباب کرتے ہوئے کسی کو گالی دینے کی ممانعت فرمائی، زبان کا غیر ذمہ دارانہ استعمال ممنوع قرار دیا۔ کسی کو کافر قرار دینے سے روکا۔ لعنتی کہنے، تہمت لگانے، چغلی کرنے، کسی کا تمسخر اُڑانے، دوسروں کو حقیر جاننے، بے جا پروپیگنڈہ کرنے، افواہیں

---

۱ آلِ عمران: ۱۳۴

۲ النحل: ۱۲۶ ﴿وَإِنْ عَاقَبْتُمْ فَعَاقِبُوا بِمِثْلِ مَا عُوقِبْتُمْ بِهِ﴾ "اگر تم بدلہ لو تم تو اتنا ہی جتنا تم پر زیادتی کی گئی۔" (البقرۃ: ۱۹۴): ﴿فَمَنِ اعْتَدَىٰ عَلَيْكُمْ فَاعْتَدُوا عَلَيْهِ بِمِثْلِ مَا اعْتَدَىٰ عَلَيْكُمْ﴾ "پھر اگر کوئی تمہارے اوپر زیادتی کرے تو تم بھی اتنی ہی زیادتی اس پر کرو۔"

۳ حم السجدہ: ۳۴ ﴿ادْفَعْ بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ فَإِذَا الَّذِي بَيْنَكَ وَبَيْنَهُ عَدَاوَةٌ كَأَنَّهُ وَلِيٌّ حَمِيمٌ﴾

۴ النحل: ۱۲۶ ﴿وَلَئِن صَبَرْتُمْ لَهُوَ خَيْرٌ لِّلصَّابِرِينَ﴾ "اگر بدلہ لینے کی بجائے صبر کرو تو یہ بات صبر کرنے والوں کے لیے انجام کے اعتبار سے بہتر ہو گی۔"

۵ النور: ۲۲ ﴿أَلَا تُحِبُّونَ أَنْ يَغْفِرَ اللَّهُ لَكُمْ﴾ "کیا تم پسند نہیں کرتے کہ (تم لوگوں کو معاف کرو اور) اللہ تمہارے گناہ معاف کر دے۔"

مجلس التحقیق الاسلامی کے زیر اہتمام ملت اسلامیہ کا علمی اور اصلاحی مجلہ

magazine.mohaddis.com

پھیلانے، کسی کو نسب کا طعنہ دینے اور دیگر مشتعل کرنے والی حرکات کی شدت سے ممانعت کر دی گئی۔ حسد بھی اس سلسلے میں بڑا منفی کردار ادا کرتا ہے، قرآن وسنت میں اسے بھی بہت بڑا اخلاقی مرض قرار دیا گیا۔

ظلم وزیادتی کا استیصال

معاشرے میں بدامنی اور فساد بے چینی کا ایک سبب معاشرتی، معاشی اور سیاسی شعبوں میں ظلم وزیادتی اور حقوق کی پامالی بھی ہے۔ ظالم اپنے اقتدار، معاشرتی برتری، یا معاشی شعبے میں بالا دستی کی بنا پر دوسروں کو زیادتی کا نشانہ بناتا ہے۔ ان کا استحصال کرتا ہے تو متاثرہ افراد یا طبقات احتجاج کرتے ہیں۔ اگر احتجاج غیر مؤثر ہو جائے تو وہ ظالم سے خود نمٹنے کے لیے تیار ہو جاتے ہیں جس کے نتیجے میں معاشرہ بدامنی کا شکار ہو جاتا ہے۔ اسلام اس سلسلے میں معاملات کو جڑ سے پکڑتا ہے اور لوگوں کو ایک دوسرے کے حقوق ادا کرنے کی تلقین کرتا ہے۔ حقوق کی عدم ادائیگی دنیوی اعتبار سے قابل دست انداز آئین وقانون ہے اور آخرت میں بھی قابل مؤاخذہ جرم قرار دیا گیا ہے۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: اپنے آپ کو مظلوم کی بددعا سے بچاؤ کیونکہ مظلوم کی آہ اور اللہ تعالیٰ کے درمیان کوئی آڑ اور رکاوٹ نہیں ہوتی۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

«انْصُرْ أَخَاكَ ظَالِمًا أَوْ مَظْلُومًا»[1]

"اپنے بھائی کی مدد کرو خواہ وہ ظالم ہو یا مظلوم۔ صحابہ نے پوچھا کہ مظلوم بھائی کی تو مدد سمجھ میں آتی ہے، ظالم کی مدد کیسے کی جائے؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ ظالم کا ہاتھ روکنا اور اسے ظلم سے باز رکھنا اس کی مدد ہے۔"

اس سلسلے میں شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ

"جن مقاصد کے لیے انبیاے کرام کو دنیا میں مبعوث کیا گیا ان میں سے ایک عظیم مقصد یہ ہے کہ لوگوں کے درمیان مظالم کو روکنے اور ان کے تدارک کے لیے تدابیر عمل میں لائیں۔ کیونکہ اگر ظلم وزیادتی کا سدباب نہ کیا جائے تو نظامِ زندگی میں ابتری

1 صحیح بخاری: ۲۴۴۳

مجلس التحقیق الاسلامی کے زیر اہتمام ملت اسلامیہ کا علمی اور اصلاحی مجلہ

magazine.mohaddis.com

واقع ہو جائے۔"[1]

استحصال بھی امن وامان کو تہہ وبالا کرنے کا سبب بنتا ہے۔ اسلام نے اس کا استیصال بھی کیا ہے اور محض نصیحت کر دینے پر اکتفا نہیں کیا بلکہ اللہ کی ناراضگی اور آخرت کی مسئولیت کا احساس دلانے کے ساتھ ساتھ قانونی تحفظات کے ذریعے استحصال کو روکا گیا ہے۔ استحصال زدہ طبقہ اندر ہی اندر اپنی کمزوریوں اور محرومیوں میں جلتا رہتا ہے۔ استحصال کرنے والوں کے خلاف ان کے دل میں لاوا پکتا رہتا ہے۔ مغرب میں سرمایہ داری کے تحت غریب کا استحصال ہوا تو کمیونزم کی شکل میں رد عمل ظاہر ہوا اور اس انقلاب میں لاتعداد انسانی جانیں ضائع ہوئیں۔ استحصال زدہ طبقے جب رد عمل ظاہر کرتے ہیں تو پھر کشت وخون کی ندیاں بہہ جاتی ہیں۔ اسلام نے ہر طرح کے استحصال کی راہیں بند کر دیں۔

فساد کے خاتمے کے لیے اسلام نے جو ذرائع اختیار کیے ہیں، ان میں سے ایک مؤثر ذریعہ حدود وتعزیرات کا نظام ہے۔ اسلامی حدود کے بارے میں شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

"شریعت نے بعض جرائم پر حدود مقرر کی ہیں۔ یہ وہ جرائم ہیں جن کی وجہ سے دنیا میں فتنہ وفساد پیدا ہوتا ہے اور مسلم معاشرے کا امن وسکون غارت ہو جاتا ہے۔ دوسرے ان جرائم کے بار بار ارتکاب سے نفس انسانی کو ان جرائم کی لت پڑ جاتی ہے۔ پھر اس جرم سے باز رکھنا انتہائی مشکل ہو جاتا ہے۔ اکثر اوقات بے چارے مظلوم کے لیے یہ ممکن نہیں ہوتا کہ وہ ان مجرموں کے مقابلے میں اپنا تحفظ کر سکے۔ اگر ان جرائم کی روک تھام نہ کی جائے تو پھر ان جرائم کے خاتمے کیلیے محض آخرت کے خوف اور وعظ و تلقین سے کام نہیں چلتا بلکہ اس کیلئے سخت سزاؤں کا نفاذ ضروری ہوتا ہے تا کہ مجرم کا انجام سب کے سامنے ہو جسے دیکھ کر دوسرے لوگ جرم سے باز رہیں۔"[2]

شاہ ولی اللہ اس کی وضاحت زنا کے فعل بد سے کرتے ہیں کہ اس فعل کے نتیجے میں عورت کے خاندان کو سخت رسوائی کا سامنا کرنا پڑتا ہے اور اس سلسلے میں کشت وخون ہوتا ہے۔ اس

۱ حجۃ اللہ البالغۃ: ۲/۶۱۱

۲ حجۃ اللہ البالغۃ: ۲/۱۵۸

مجلس التحقیق الاسلامی کے زیر اہتمام ملت اسلامیہ کا علمی اور اصلاحی مجلہ

magazine.mohaddis.com

لیے شریعت نے اس کی بھی سخت سزا مقرر کی ہے۔ اگر سزا عبرتناک نہ ہوتی تو اس جرم کو پھیلنے سے روکا نہیں جاسکتا تھا۔

معاشرے کو فتنے فساد سے بچانے کے لیے اسلامی حدود بڑا اہم کردار ادا کرتی ہیں اس سلسلے میں جسٹس ڈاکٹر تنزیل الرحمٰن لکھتے ہیں:

"تمام حدود کے نفاذ سے معاشرے کی حفاظت مقصد ہے کیونکہ یہ اللہ کے حقوق میں سے ہے کہ اجتماعی زندگی کو محفوظ رکھا جائے۔ اسی طرح وہ تمام اُمور جن میں فقہاے اُمت نے اللہ تعالیٰ کے حق کو غالب تصور کیا ہے، ان میں اشخاص کے انفرادی حقوق کا لحاظ نہیں رکھا جاتا بلکہ اجتماعی زندگی کا مفاد پیش نظر رکھا جاتا ہے اور اشخاص کے انفرادی مفاد کو اس کے تابع قرار دیا جاتا ہے۔"[1]

قرآنِ مجید مختلف جرائم کا ذکر ان کی خرابیوں کے سیاق وسباق میں بیان کر کے اُن کی برائی ہمارے ذہن نشین کرواتا ہے۔ مثلاً قتل نفس کا ذکر اس انداز سے کیا:

﴿مَنْ قَتَلَ نَفْسًا بِغَيْرِ نَفْسٍ اَوْ فَسَادٍ فِي الْاَرْضِ فَكَاَنَّمَا قَتَلَ النَّاسَ جَمِيْعًا﴾[2]

"جس نے کسی جان کو بغیر حق کے قتل کیا تو اس نے گویا پوری انسانیت کو قتل کر ڈالا۔"

ہم ذرائع ابلاغ کے ذریعے جانتے ہیں کہ ایک قتل بہت سے قتلوں کا ذریعہ بن جاتا ہے۔ خاندانوں کے خاندان ختم ہو جاتے ہیں، لیکن انتقام کی آگ ٹھنڈی نہیں ہو پاتی۔ اسلام سے قبل کی زندگی اور آج کے دور کے میں مذہبی اور قبائلی تعصبات کی بنیاد پر ہونے والے قتل اس کی مثال ہیں۔ چنانچہ قرآن مجید نے عمداً کسی کو قتل کرنے کی سخت ترین سزا سنائی ہے:

﴿وَ مَنْ يَّقْتُلْ مُؤْمِنًا مُّتَعَمِّدًا فَجَزَآؤُهٗ جَهَنَّمُ خٰلِدًا فِيْهَا وَ غَضِبَ اللّٰهُ عَلَيْهِ وَ لَعَنَهٗ وَ اَعَدَّ لَهٗ عَذَابًا عَظِيْمًا﴾[3] "جس نے کسی مؤمن کو جان بوجھ کر قتل کر دیا اس کی سزا یہ ہے کہ وہ ہمیشہ ہمیشہ کے لیے جہنم میں رہے گا اور اس پر اللہ کا غضب اور لعنت ہوگی اور اس کے لیے بہت بڑا عذاب تیار کر رکھا ہے۔"

۱ 'جرم و سزا کا اسلامی تصور' از جسٹس تنزیل الرحمٰن: ۱۲۰
۲ المائدۃ: ۳۲
۳ النساء: ۹۳

مجلس التحقیق الاسلامی کے زیر اہتمام ملت اسلامیہ کا علمی اور اصلاحی مجلہ

magazine.mohaddis.com

اسی طرح قرآن حکیم میں حرابہ (رہزنی) کی سزا بھی بہت سخت رکھی ہے۔ حرابہ میں کچھ لوگ مل کر منصوبہ بنا کر قتل یا ڈاکہ ڈالتے ہیں۔ مسافروں اور بے گناہوں کو قتل کرنے اور ان کا سامان چھیننے کے علاوہ خوف و ہراس پھیلاتے ہیں۔ سورۃ المائدۃ کی آیت نمبر ۳۳ میں رہزنی کی سزا کا ذکر کیا گیا ہے۔ اس سلسلے میں امام ابن تیمیہؒ لکھتے ہیں:

"حاکم کا فرض ہے کہ وہ راہزنوں کی جماعت کے مکمل استیصال کے لیے پوری جدوجہد کرے اور اگر مصلحت کا تقاضا ہو تو اس جماعت کے سرغنہ کو قتل کروادے۔ اکثر فقہا کا نقطہ نگاہ یہ ہے کہ اگر ڈاکوؤں کی جماعت طاقت پکڑ رہی ہو اور حکومت بے بس ہو رہی ہو تو اس کے گروہ کو قتل کروادیا جائے۔"[1]

خریدارانِ محدث توجہ فرمائیں!

خریدارانِ محدث کو مدتِ خریداری ختم ہونے کی اطلاع محدث کے لفافہ پر چسپاں پتہ میں درج تحریر [مدت خریداری..... سے ختم ہو..... ہے] کی خالی جگہ پُر کر کے دی جاتی ہے۔ لہٰذا جن حضرات کو یہ اطلاع دی گئی ہے، از راہِ کرم اولین فرصت میں زرِ تعاون بھیج کر تجدید کروائیں۔ یاد رہے ادارہ محدث کی طرف سے زرِ تعاون ختم ہونے پر رسالہ بذریعہ وی پی نہیں بھیجا جاتا۔ قارئین بذریعہ بنک ڈرافٹ، منی آرڈر، اور ایزی پیسہ زرِ تعاون بھیج سکتے ہیں۔
رابطہ کرتے وقت اپنے خریداری نمبر کا حوالہ ضرور دیں۔ شکریہ!

۱ السیاسۃ الشرعیہ از علامہ ابن تیمیہ: ص ۲۹

مجلس التحقیق الاسلامی کے زیر اہتمام ملت اسلامیہ کا علمی اور اصلاحی مجلہ

magazine.mohaddis.com

حافظ طاہر الاسلام عسکری[1]

اہل حدیث کا منہج اور احناف سے اختلاف کی حقیقت و نوعیت

تالیف: حافظ صلاح الدین یوسف حفظہ اللہ

صفحات: ۲۸۷... ناشر: اُمّ القریٰ پبلی کیشنز، سیالکوٹ روڈ، فتومند، گوجرانوالہ

حافظ صلاح الدین یوسف حفظہ اللہ کی ہستیِ گرامی دنیاے علم و تحقیق میں عموماً اور جماعت اہل حدیث میں خصوصاً چنداں محتاجِ تعارف نہیں۔ محترم حافظ صاحب مبدءِ فیض سے بے شمار خوبیوں اور صلاحیتوں سے بہرہ مند ہیں۔ وہ بنیادی طور پر میدانِ قلم و قرطاس کے شہ سوار ہیں اور ان کے موضوعاتِ تحریر میں انتہائی وسعت اور بوقلمونی پائی جاتی ہے؛ چنانچہ قرآنِ حکیم کی تفسیر و توضیح ہو یا حدیث کی شرح و وضاحت؛ فکر و عقیدہ کے مباحث ہوں یا فقہ واجتہاد کے مسائل؛ آئینی و قانونی معاملات ہوں یا معاشرتی اُمور؛ انھوں نے ہر موضوع پر تحریر و تحقیق کے جوہر دکھلائے ہیں۔ موضوعات کے تنوع سے جہاں ان کی دقتِ نگاہ اور وسعتِ نظر کا اندازہ ہوتا ہے، وہیں اُن کی نگارشات کے مطالعے سے یہ حقیقت بھی سامنے آتی ہے کہ ان کا اُسلوبِ تحریر انتہائی دل آویز، جاذبِ توجہ اور زبان و ادب کی چاشنی کو اپنے اندر سموئے ہوئے ہے۔ حافظ صاحب موصوف فی زمانہ اہل حدیث کے اُن معدودے چند اربابِ قلم میں سرفہرست ہیں، جن کا اندازِ تحریر معیاری اور زبان و بیان کے پہلو سے اس لائق ہے کہ قاری کو نہ صرف اپنی جانب متوجہ کر سکتا ہے، بلکہ اہل ذوق کی تسکین کا پورا سامان بھی اپنے دامن میں رکھتا ہے۔

مسلکِ اہل حدیث اور اس کے اُصول و مبادی کی توضیح و تنقیح بھی محترم حافظ صاحب کی

[1] ایڈیٹر سہ ماہی 'نظریات' لاہور .... فاضل جامعہ لاہور الاسلامیہ، لاہور

مجلس التحقیق الاسلامی کے زیر اہتمام ملت اسلامیہ کا علمی اور اصلاحی مجلہ

magazine.mohaddis.com

دل چسپی کا موضوع ہے؛ اس ضمن میں ان کی متعدد تحریریں شائع ہو کر اربابِ علم وفکر سے خراجِ تحسین وصول کر چکی ہیں۔ زیر تبصرہ کتاب بھی اسی سلسلے کی ایک کڑی ہے۔ یہ کتاب در اصل وہ ضخیم اور مفصل مقدمہ ہے جو موصوف نے حضرت الامام حافظ محمد صاحب محدث گوندلوی قدس اللہ روحہ کی مایہ ناز تصنیف 'الاصلاح' پر لکھا تھا۔ بعد ازاں اس کی اہمیت و افادیت کے پیش نظر اسے مستقل کتاب کی صورت میں طبع کیا گیا۔ اس میں بنیادی وکلیدی حیثیت تو اسی مقدمہ کی ہے، تاہم اس مستقل اشاعت میں موضوع سے متعلق دیگر اہل علم کی بعض تحریریں بھی شامل کر لی گئی ہیں۔ کتاب کی ترتیب اس طرح ہے:

سب سے پہلے 'حرفِ اوّل' ہے، جو برادرم حافظ شاہد محمود کا تحریر کردہ ہے۔ اس کے بعد حافظ صلاح الدین صاحب یوسف حفظہ اللہ کا 'عرضِ مرتب' ہے، جس میں کتاب کے مقالات ومندرجات کا اجمالی تعارف پیش کیا گیا ہے۔ کتابِ ہٰذا کے مقدمہ کے طور پر مولانا محمد حنیف ندوی کا مضمون 'تعارفِ اہل حدیث' شامل کیا گیا ہے، جس میں انتہائی دل نشین اور ادبی پیرائے میں اہل حدیث کے مسلک اور نقطہ نظر کی وضاحت کی گئی ہے۔

۹ صفحات کے مقدمہ کے بعد اصل کتاب کا آغاز ہوتا ہے۔ سب سے پہلا مقالہ محترم حافظ صاحب کا ہے، جو 'اہل حدیث کا مسلک و منہج اور احناف سے اختلاف کی حقیقت ونوعیت؛ ایک نہایت اہم مبحث کی وضاحت' کے زیر عنوان ایک صد صفحات (ص ۲۷ تا ۱۲۶) پر پھیلا ہوا ہے۔

دوسرا مقالہ 'عقائد علمائے دیوبند' کے نام سے ہے۔ یہ 'تکملۂ مضمون ماسبق' ہے اور صفحہ ۱۲۷ سے شروع ہو کر صفحہ ۱۵۳ پر اختتام پذیر ہو رہا ہے۔

تیسرے مقالے کا عنوان ہے: 'شخصیت پرستی اور مشیخیت کے دینی واخلاقی مفاسد'، یہ مولانا محمد عیسیٰ صاحب منصوری کے قلم سے ہے اور ۱۹ صفحات (ص ۱۵۴ تا ۱۷۲) پر مشتمل ہے۔

چوتھا مقالہ امام العصر مولانا محمد ابراہیم میر سیالکوٹی رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب 'تاریخ اہل حدیث' سے لیا گیا ہے۔ یہ مبحث بہ عنوان 'اہل حدیث کا طرزِ استدلال و تحریکِ اجتہاد اور احناف کا خود ساختہ اُصولوں کی بنیاد پر احادیث کا انکار' کافی طویل ہے اور کتاب کے ۸۸ صفحات کو محیط ہے۔

پانچویں نمبر پر مولانا عبد الرحمٰن صاحب ضیا (سابق شیخ الحدیث، جامعہ شیخ الاسلام ابن تیمیہ) کا

مجلس التحقیق الاسلامی کے زیر اہتمام ملت اسلامیہ کا علمی اور اصلاحی مجلہ

magazine.mohaddis.com

مضمون 'اہل حدیث اور اہل تقلید کے منہج کا فرق' شامل کیا گیا ہے، جس کا آغاز ص ۲۶۲ سے اور اختتام ص ۲۸۴ پر ہوتا ہے۔

آخر میں تین صفحات پر مبنی ایک مختصر تحریر محدثِ زماں علامہ ناصر الدین البانی رحمۃ اللہ علیہ کی ہے جو دراصل ایک مکالمہ ہے۔ اس کا موضوع ہے: "ہم سلفی (اہل حدیث) کیوں کہلائیں؟"

مشمولاتِ کتاب کے سرسری تعارف کے بعد اب ہم اس کے مرکزی واساسی مضمون پر اپنی گزارشات پیش کرتے ہیں۔ زیر تبصرہ کتاب کا مرکزی موضوع یعنی اہل حدیث اور احناف کے مابین اختلاف کی حقیقت ونوعیت، انتہائی اہمیت اور حساسیت کا حامل ہے؛ اس حوالے سے اگرچہ بہت کچھ لکھا جاچکا ہے، تاہم محترم حافظ صلاح الدین یوسف حفظہ اللہ نے اپنے مخصوص انداز میں اس پر جو خامہ فرسائی کی ہے، وہ بعض پہلوؤں سے بالکل نئی چیز ہے۔

جیسا کہ ابتدا میں عرض کیا گیا، حافظ صاحب نے یہ تحریر محدث گوندلوی رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب 'الاصلاح' کے مقدمہ کے طور پر حوالۂ قلم کی تھی۔ محدث گوندلوی نے لکھا ہے کہ "اہل حدیث اور حنفیہ میں نہ اُصولی اختلاف ہے، نہ فروعی۔"[1] حافظ صاحب نے اپنے تفصیلی مقدمے میں اسی نکتے کی توجیہ وتوضیح فرمائی ہے۔ اُنھوں نے حنفیہ کو تین گروہوں میں تقسیم کیا ہے:

پہلے گروہ میں امام ابو حنیفہ، قاضی ابو یوسف اور امام محمد بن حسن شیبانی رحمۃ اللہ علیہم آتے ہیں۔ ان کے طرزِ فکر وعمل کی وضاحت کرتے ہوئے حافظ صاحب کا کہنا ہے کہ دراصل یہی وہ طائفہ ہے، جس سے اہل حدیث کا اُصولی وفروعی کوئی اختلاف نہیں۔ ان کے بقول مذکورہ ائمہ کے اُصول میں یکسر اختلاف نہیں اور فروع اُصول کے تابع ہوتے ہیں؛ فلہٰذا فروعی اختلاف بھی کوئی معتدبہ حیثیت نہیں رکھتا۔ فاضل مصنف نے اپنے استدلال کے حق میں جو دلائل دیے ہیں اُن سے یہ نتیجہ بالکل واضح طور پر سامنے آتا ہے؛ مثلاً امام ابو حنیفہ کا یہ فرمان کہ "کتاب وسنت اور اقوال صحابہ رضی اللہ عنہم کے بالمقابل میری رائے کو نظر انداز کردو۔"[2] اسی طرح امام صاحب کا

۱ الاصلاح، ص ۱۳۵، طبع جدید

۲ القول المفید فی ادلۃ الاجتہاد والتقلید للشوکانی، ص: ۲۱

مجلس التحقیق الاسلامی کے زیر اہتمام ملت اسلامیہ کا علمی اور اصلاحی مجلہ

magazine.mohaddis.com

یہ ارشاد کہ "إذا صحّ الحديث فهو مذهبي"[1] یعنی "جب حدیث صحیح ثابت ہو جائے، تو وہی میرا مذہب ہے۔" حضرت الامام کی انھی تصریحات کے پیش نظر ان کے باکمال شاگردوں (صاحبین) نے ہمیشہ نصوصِ قرآن و حدیث ہی کو مقدم رکھا، یہاں تک کہ اپنے ہی اُستاد کے دو تہائی مسائل سے بربنائے دلیل اختلاف کیا۔ وہ حنفی علما بھی اسی گروہ میں شامل ہیں، جنھوں نے اس منہاجِ فکر و عمل کی پیروی کرتے ہوئے اتباعِ کتاب و سنت کو خلافِ نصوص فقہی جزئیات پر ترجیح دی اور فقہی جمود، گروہی تعصب اور اندھی تقلید کے خلاف آواز بلند کی۔ ان میں حجۃ الہند شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ اور مولانا عبدالحی صاحب لکھنوی مرحوم خاص طور سے لائق تذکرہ ہیں۔

دوسرا گروہ جمہور احناف پر مشتمل ہے؛ یہ زبانی طور پر اپنے ائمہ متقدمین کی روش پر چلنے کا دعویٰ کرتا اور حدیث و آثار کے اخذ و قبول سے متعلق محدثین کے اُصولوں کو درست قرار دیتا ہے؛ لیکن عملاً اس سے انحراف کی راہ پر گامزن ہے۔ اس ضمن میں محترم حافظ صاحب نے عرب و عجم کے بعض حنفی علما کی مثالیں دی ہیں کہ کس طرح ایک مقام پر ایک اُصول کا اعتراف و اقرار کرتے اور دوسری جگہ کھلم کھلا بڑی بے دردی سے اسے پامال کرتے ہیں۔ یہ گروہ تقلید جامد پر کاربند ہے اور اپنے فقہی مذہب کے برخلاف احادیث کو مختلف طریقوں اور حیلوں سے ردّ کر دیتا ہے، جس کی تفصیل مع مثالوں کے حافظ صاحب نے بیان کی ہیں۔

تیسرا گروہ، دوسرے سے بھی دو قدم آگے ہے، اور علانیہ طور پر محدثین کے اُصولِ حدیث کا منکر ہے۔ اس کا اُصول یہ ہے کہ فقہی مسائل کی صورت میں جن احادیث کی صحت ان کے فقہا سے ثابت ہے، وہ روایات بہر آئینہ صحیح ہیں، خواہ محدثین اور ماہرین فن اسے ضعیف ہی کیوں نہ کہتے رہیں!!۔ یہ طائفہ مقلدین تقلیدِ مذموم پر بھی فخر کا اظہار کرتا ہے؛ اس طبقہ فکر کے سرخیل مولانا محمد امین اوکاڑوی تھے اور آج کل اس کی نمائندگی 'گھسن پارٹی' کر رہی ہے۔ محترم حافظ صاحب کے مطابق مؤخر الذکر دونوں گروہوں سے اہل حدیث

1 ردّ المحتار علی الدر المختار المعروف بحاشیۃ ابن عابدین: 1/154، دار احیاء التراث العربی، بیروت

مجلس التحقیق الاسلامی کے زیر اہتمام ملت اسلامیہ کا علمی اور اصلاحی مجلہ

magazine.mohaddis.com

کو شدید اختلاف ہے اور یہ اختلاف بنیادی واُصولی نوعیت کا ہے۔

ہماری رائے میں حافظ صاحب موصوف کا یہ مفصل تجزیہ اور نتیجۂ تحقیق جہاں ان کی وسعتِ مطالعہ، دقتِ نظر، سلامتی فکر اور تجزیہ و تحلیل کی بے مثال صلاحیت پر دلالت کناں ہے؛ وہیں حقائق وواقعات سے بھی پوری طرح ہم آہنگ ہے اور ہمیں اس سے کامل اتفاق ہے۔ اس تفصیلی تجزیے کے دورانِ مطالعہ یک گونہ تشنگی کا احساس بھی ہوتا ہے اور وہ یہ کہ محترم حافظ صاحب نے اس میں اتباع و تقلید اور طرزِ استدلال و استنباط پر گفتگو کو مرکوز رکھا ہے؛ عقیدہ وایمانیات کے مباحث زیر بحث نہیں آسکے؛ لیکن محترم موصوف کی نگاہ تعمق سے یہ نقطہ اوجھل نہیں ہونے پایا اور زیر نظر کتاب میں اس کے بعد 'عقائد علماے دیوبند' کا مضمون شامل کرکے اس تشنہ کامی کا سامانِ سیرابی بھی مہیا فرمادیا ہے۔ اس سے یہ نکتہ واضح ہوجاتا ہے کہ ایمان وعقائد میں بھی موجودہ احناف اور اہل حدیث کے زاویہ ہاے نظر میں اچھا خاصا اختلاف پایا جاتا ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ احناف کے نام سے اس وقت جو مکتبِ فکر معروف ہے، وہ عقائد میں سرے سے امام ابوحنیفہ اور صاحبین رحمہم اللہ کی تقلید کا قائل ہی نہیں؛ بلکہ امام ابوالحسن اشعری اور امام ابو منصور ماتریدی کے کلامی نظریات کا حامل ہے۔ اسی بنا پر ہم محدث گوندلوی کے اس مقولہ کو انتہائی مجمل سمجھتے ہیں کہ "اہل حدیث اور حنفیہ میں اختلاف نہ اُصولی ہے نہ فروعی۔" اس کی تفصیل وہی ہے، جو حافظ صلاح الدین صاحب یوسف نے زیبِ قرطاس فرمادی ہے۔

اس موقع پر ہم فاضل مصنف اور ناظرین کی عنانِ توجہ اس دل چسپ بات کی جانب بھی مبذول کرانا چاہتے ہیں کہ حضرت الامام محدث گوندلوی نے 'فاتحہ خلف الامام' کے موضوع پر اپنی بے نظیر کتاب 'خیر الکلام' میں یہ تصریح فرمائی ہے کہ "شیعہ سنّی میں اُصولی اختلاف ہے، جب کہ اہل سنت کے مختلف فرقوں میں اختلاف فروعی نوعیت کا ہے۔" ہمیں معلوم نہیں کہ ان میں سے کون سی تحریر مقدم ہے اور کون سی مؤخر؟ بنابریں محترم حافظ صاحب سے التماس ہے کہ وہ اس تباین و تخالف کی بھی توجیہ فرمائیں؛ آیا اسے نسخ پر محمول کیا جائے؛ یا جمع کی کوئی

مجلس التحقیق الاسلامی کے زیر اہتمام ملت اسلامیہ کا علمی اور اصلاحی مجلہ

magazine.mohaddis.com

صورت ممکن ہے؛ یا پھر کسی ایک کو ترجیح دینا ہوگی۔

اس کے ساتھ ساتھ اگر آئندہ اشاعت میں تعلیماتِ دین کی اُصول و فروع میں تقسیم پر محققانہ بحث کی جائے، تو یہ موضوع مزید نکھر جائے گا۔ اُصولی و فروعی مسائل کی مختلف تعریفیں کی گئی ہیں، جن میں سے اکثر کو علماے اہل سنت نے نادرست قرار دیا ہے۔ امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک یہ تقسیم مبنی بر خطا ہے کہ اُصولی مسائل میں اختلاف کو تکفیر و تفسیق کی بنیاد ٹھیرایا جائے جب کہ فروعی مسائل میں اختلاف کو علی الاطلاق روا رکھا جائے اور اس پر کوئی نکیر نہ کی جائے۔ ہماری معلومات کے مطابق محدث گوندلوی کے تلمیذ رشید مولانا حافظ عبد السلام بن محمد حفظہ اللہ بھی اُصول و فروع کی تفریق کے قائل نہیں ہیں۔[1]

زیر تبصرہ کتاب کے دیگر مندرجات بھی اگرچہ اس لائق ہیں کہ ان پر تفصیل سے اظہارِ خیال کیا جائے، لیکن طوالت سے بچنے کی خاطر انھی معروضات پر اکتفا کیا جاتا ہے۔ ہمارے خیال میں یہ کتاب اپنے موضوع پر انتہائی منفرد اور جامع کتاب ہے جسے ہر تحقیقی ادارے اور لائبریری کی زینت ہونا چاہیے۔ اس سے نہ صرف یہ کہ اہل حدیث کے مسلک و منہج سے آگاہی حاصل ہوگی، بلکہ احناف کے مختلف گروہوں کے زاویہ ہائے نگاہ اور طرز ہائے عمل کو سمجھنے میں بھی مدد ملے گی۔ نیز اربابِ تقلید سے بامعنی اور مفید مباحثہ و مکالمہ میں بھی سہولت رہے گی۔

معنوی خوبیوں کے ساتھ ساتھ زیر نظر کتاب ظاہری محاسن سے بھی مالامال ہے۔ سرورق خوب صورت، کاغذ عمدہ اور جلد بندی مضبوط ہے۔ قیمت درج نہیں تاہم جس قیمت پر بھی مہیا ہو، لازماً خریدنا چاہیے۔

نوٹ: دو سال سے 'محدث' کی اشاعت کا دورانیہ بعض مجبوریوں کی بنا پر باقاعدہ نہیں ہے، لہٰذا گزارش ہے کہ اپنے ریکارڈ کی تکمیل کے لیے مسلسل نمبر یعنی [illegible] کو مد نظر رکھیں۔

1 مکالماتِ نور پوری

مجلس التحقیق الاسلامی کے زیر اہتمام ملت اسلامیہ کا علمی اور اصلاحی مجلہ

magazine.mohaddis.com

محمد شفیق کوکب

ماہنامہ 'محدّث' کا دوسالہ اِشاریہ

جنوری ۲۰۱۲ء تا دسمبر ۲۰۱۳ء... جلد ۴۴،۴۵ ... عدد ۳۵۳ تا ۳۶۴ ... ۱۱ شمارے

ایمان وعقائد

ابوعبداللہ طارق	اہل السنہ اور مرجئہ کون ہیں؟ [قسط ۱]	جنوری ۱۲	۲۰_۳۳
ابوعبداللہ طارق	اہل السنہ اور مرجئہ کون ہیں؟ [قسط ۲]	مارچ ۱۲	۱۴_۳۱
علی عبدالرحمٰن حذیفی	اُمتِ مسلمہ کو درپیش شیعی خطرات اور ہمارا فریضہ	مئی ۱۲	۱۱_۳۰
عطاء الرحمٰن علوی	اُمتِ محمدیہ میں شرک اور گمراہی کے اندھیرے	جولائی ۱۲	۵۶_۷۸
محمد بن سعد شویعر، ڈاکٹر	محمد بن عبدالوہاب اور ان کی تحریک کے عقائد	جولائی ۱۲	۷۹_۱۰۲
سعید مجتبیٰ سعیدی	بقیع؛ مدینہ منورہ کا قبرستان	ستمبر ۱۲	۸۷_۹۱
ابوعبداللہ طارق	اُمتِ مسلمہ میں وجودِ شرک پر شبہات کا ازالہ	جون ۱۳	۲۴_۵۲
محمد ناصر الدین البانی	توحید سب سے پہلے، اے داعیانِ اسلام! [مترجم: طارق علی بروہی]	ستمبر ۱۳	۳۲_۵۶

حدیث وسنت

امین اللہ پشاوری، مولانا	حصولِ علم اور فضائل اُمتِ محمدیہ	جولائی ۱۲	۹_۲۶
محمد رمضان سلفی، مولانا	خبر واحد کی حجیت کو تعامل اُمت حاصل ہے!	نومبر ۱۲	۵_۲۱
صلاح الدین یوسف، حافظ	شادی کے رواج؛ احادیثِ نبویہ ﷺ کی روشنی میں	مارچ ۱۳	۴۴_۶۴

ناموسِ رسالت ﷺ

حسن مدنی، ڈاکٹر حافظ	ناموسِ رسالت پر ایک اور وار!	ستمبر ۱۲	۲_۱۴
عاصم حفیظ	توہین رسالت؛ اسلام سے خائف بیمار ذہنوں کی کارستانی	ستمبر ۱۲	۱۵_۲۸
بشریٰ نوشین	نبی مکرم ﷺ کی گستاخی پر بنائی گئی فلم؛ چند حقائق	ستمبر ۱۲	۲۹_۴۰
انصار عباسی	اسلام دشمن فلم پر میڈیا خاموش کیوں؟	ستمبر ۱۲	۴۱_۴۲
محمد منیر قمر	شرعِ اسلامی میں توہین رسالت کی سزا	ستمبر ۱۲	۴۳_۶۷

فقہ واجتہاد

اُمّ عبدالرب سلفی	رمضان المبارک کی عبادات	جولائی ۱۲	۲۷_۴۱
فاروق رفیع	عقیقہ کے احکام ومسائل	نومبر ۱۲	۶۹_۸۰

مجلس التحقیق الاسلامی کے زیر اہتمام ملت اسلامیہ کا علمی اور اصلاحی مجلہ

magazine.mohaddis.com

حسن مدنی حافظ، ڈاکٹر	اسلامی نظریاتی کونسل کی سفارش بہ سلسلہ ڈی این اے	جون ۱۳	۲۳_۲
صلاح الدین یوسف، حافظ	عورت کو حق طلاق تفویض کرنا شریعت میں تبدیلی ہے! [قسط۱]	جون ۱۳	۷۱_۵۳
صلاح الدین یوسف، حافظ	عورت کو حق طلاق تفویض کرنا شریعت میں تبدیلی ہے! [قسط۲]	ستمبر ۱۳	۷۷_۵۷
کفایت اللہ سنابلی	عید الاضحیٰ پر قربانی کے چار ایام	دسمبر ۱۳	۵۱_۳۲
عبد الجبار سلفی، مولانا	علاج معالجہ کے شرعی احکام	دسمبر ۱۳	۷۹_۶۰

فتاوی

فاروق رفیع	ضعیف و موضوع احادیث اور اُصول حدیث؟	مئی ۱۲	۳۵_۳۱
محمد صالح المنجد، شیخ	روزہ اور زکوٰۃ کے بارے میں اہم فتاویٰ	جولائی ۱۲	۱۰۹_۱۰۳
محمد صالح المنجد، شیخ	نکاح وطلاق کے بعض اہم مسائل	نومبر ۱۲	۳۷_۲۲
محمد صالح المنجد، شیخ	میلاد النبی پر کی جانے والی بدعات وغیرہ کی شرعی حیثیت	جنوری ۱۳	۴۸_۲۶
محمد صالح المنجد، شیخ	صلوٰۃِ حاجت کی شرعی حیثیت	دسمبر ۱۳	۵۹_۵۲

تحقیق و تنقید

عبید اللہ عفیف، مفتی	رسول اللہ ﷺ کے ترکہ میں وراثت کا مسئلہ	جنوری ۱۲	۵۳_۳۴
عمران الٰہی، حافظ	صفر المظفر اور نحوست کا مسئلہ	جنوری ۱۲	۶۱_۵۴
عبد الرحمٰن ضیاء، مولانا	قبروں پر قبہ بنانے پر صحیح حدیث میں تحریف	جولائی ۱۲	۵۶_۴۲
شریف شاکر، ڈاکٹر	کیا جیش مغفور لہم کے سپہ سالار سیدنا معاویہؓ تھے؟	نومبر ۱۲	۶۸_۳۸
صلاح الدین یوسف، حافظ	جرم وسزا کے بعض قوانین میں اصلاح	جنوری ۱۳	۶_۲
محمد اسحٰق زاہد، ڈاکٹر	جشن میلاد کی شرعی حیثیت	جنوری ۱۳	۶۸_۴۹
ابو الحسن علوی	پروفیسر طاہر القادری کے متنازعہ افکار و کردار	جنوری ۱۳	۹۱_۶۹
عبد الجبار، قاری	طاہر القادری کی مغرب نوازیاں اسلام کی نظر میں	جنوری ۱۳	۱۱۲_۹۲

اصلاحِ معاشرہ

ثریا بتول علوی، پروفیسر	قرآن جلتا رہا اور قوم کرکٹ کھیلتی رہی!	مارچ ۱۲	۴۶_۳۲
محمد صالح العثیمین	عصر حاضر کے نوجوانوں کے مسائل کا حل [مترجم: عبد المنان کیلانی]	ستمبر ۱۲	۸۶_۶۸
رضیہ مدنی، مسز	انسان پر گناہوں کے بد اثرات	مارچ ۱۳	۴۳_۲۰
محبوب عالم فاروقی	اصلاحِ معاشرہ میں مسجد کا کردار	مارچ ۱۳	۷۹_۶۵
ندا اشرف	حضرت لقمان علیہ السلام کی نوجوانوں کو نصیحتیں	جون ۱۳	۱۱۲_۹۵

عالم اسلام اور مغرب

نعیم الرحمٰن ناصف (مترجم)	مصر کی 'حزب النور' سے بکثرت کیے جانے والے سوالات	مئی ۱۲	۴۰_۳۶

مجلس التحقیق الاسلامی کے زیر اہتمام ملت اسلامیہ کا علمی اور اصلاحی مجلہ

magazine.mohaddis.com

محمد عاطف بیگ	امریکی جارحیت کے گیارہ سال؛ ایک جھلک	مئی ۱۲	۴۱۔۴۸
یاسر ندیم، مولانا	امریکی ثقافت کی عالم کاری کے ذرائع	نومبر ۱۲	۸۱۔۱۰۴
ثروت جمال اصمعی	مساواتِ مرد وزن کے نعرے اور مغربی خواتین کی حالت زار	جون ۱۳	۷۲۔۹۴
حسن مدنی، ڈاکٹر حافظ	مصر... جبر و تشدد اور آزمائش کی راہ پر	ستمبر ۱۳	۴۔۳۱
صفدر محمود، ڈاکٹر	نظریہ پاکستان اور اس کا انکار	ستمبر ۱۳	۷۸۔۸۴

تعلیم و تعلم

محمد اشرف، حافظ	وزیر اعلیٰ پنجاب کی تعلیمی و دینی ہولناکیاں	مئی ۱۲	۷۲۔۷۵
حسن مدنی، ڈاکٹر حافظ	علوم اسلامیہ کی معیاری تعلیم؛ وقت کی اہم ضرورت	جولائی ۱۲	۲۔۸
محمد رفیق چوہدری	اُصول ترجمہ و تفسیر قرآن کریم	جنوری ۱۳	۷۔۲۵
حسن مدنی، ڈاکٹر حافظ	طلبہ مدارسِ دینیہ کو کمپیوٹرز کی تقسیم	مارچ ۱۳	۲۔۱۹
حسن مدنی، ڈاکٹر حافظ	جامعہ لاہور الاسلامیہ میں مبارک لمحات	دسمبر ۱۳	۴۔۱۴

خلافت و جمہوریت

حسن مدنی، ڈاکٹر حافظ	مسئلہ تکفیر و خروج اور پاکستانی جمہوریت	جنوری ۱۲	۲۔۲۱
زاہد صدیق مغل	دورِ حاضر میں خروج کا مسئلہ اور شبہات	جنوری ۱۲	۶۲۔۸۲
عبد الجبار شاکر، پروفیسر	خلافتِ راشدہ؛ زرّیں عہد اور تقاضائے اسلام	مارچ ۱۲	۴۷۔۶۹
حسن مدنی، ڈاکٹر حافظ	صدارتی استثنا اور اسلام [انٹرویو]	مارچ ۱۲	۷۰۔۸۱
حسن مدنی، ڈاکٹر حافظ	جمہوریت اور حاکمیتِ الٰہیہ؛ دورِ حاضر میں	مارچ ۱۲	۲۔۱۳
حسن مدنی، ڈاکٹر حافظ	مسئلہ تکفیر و خروج اور علماء کی ذمہ داری	مئی ۱۲	۲۔۱۰

معیشت و اقتصاد

ذوالفقار علی، حافظ	اسلامی بینکوں میں رائج مضاربہ کی شرعی حیثیت	مارچ ۱۳	۸۰۔۹۱
عثمان صفدر، حافظ	اسلامی بنکاری؛ میزانِ شریعت میں	مارچ ۱۳	۹۲۔۱۰۱
ذوالفقار علی، حافظ	سود کی حرمت اور شبہات کا ازالہ	دسمبر ۱۳	۱۵۔۳۱

اسلام اور سائنس

شبیر احمد، ابو فہیم	انفس اور آفاق میں آیاتِ الٰہیہ	جنوری ۱۲	۸۳۔۹۲
طارق اقبال	انسانی فکر و عمل میں قلب کا کردار اور اسلام	مارچ ۱۳	۱۰۲۔۱۱۲

تاریخ و سیر

عبد الرؤف ظفر، ڈاکٹر	اہل حدیث اور فتویٰ نویسی؛ ایک تاریخی جائزہ	مارچ ۱۲	۸۲۔۱۰۵

مجلس التحقیق الاسلامی کے زیر اہتمام ملت اسلامیہ کا علمی اور اصلاحی مجلہ

magazine.mohaddis.com

عبد الرؤف ظفر، ڈاکٹر	اہل حدیث اور فتویٰ نویسی؛ قیام پاکستان کے بعد	مئی ۱۲	۴۹_۷۱
محمد یوسف انور، مولانا	تحریک ختم نبوت اور علماے اہل حدیث	ستمبر ۱۲	۹۲_۹۷
محمد یوسف انور، مولانا	ختم نبوت کی تحریکیں اور اہل حدیث	دسمبر ۱۳	۸۰_۸۵

یادِ رفتگان

اُختِ عبد الواسع	مولانا ابوالبرکات مدراسیؒ	جنوری ۱۲	۹۳_۹۷
عبد الجبار سلفی، مولانا	مولانا معین الدین لکھویؒ	جنوری ۱۲	۹۸_۹۰
عبد الجبار سلفی، مولانا	آہ! شیخ الحدیث مولانا عبد المنان نور پوریؒ	مارچ ۱۲	۱۰۶_۱۱۲
سعید مجتبیٰ سعیدی	مفکرِ اسلام ڈاکٹر عبد الرشید اظہرؒ	مئی ۱۲	۷۶_۷۸
حسن مدنی، ڈاکٹر حافظ	مولانا عبد الرشید اظہر؛ کچھ یادیں کچھ باتیں!	مئی ۱۲	۷۹_۸۹
اُمّ عبد الربّ سلفی	آہ! اُستاذی مولانا عبد الرشید اظہر	مئی ۱۲	۹۰_۱۰۹
عبد القدوس سلفی	حافظ عبد الرشید اظہر	مئی ۱۲	۱۰۹_۱۱۱
عبد العزیز العتیق	حافظ عبد الرشید اظہر کے بارے عربی تعزیتی قصیدہ	مئی ۱۲	۱۱۲
خالد سیال	علامہ ڈاکٹر حافظ عبد الرشید اظہر؛ جو کبھی بھلائے نہ جاسکیں گے	مئی ۱۲	۱۱۳_۱۲۶
اسحٰق زاہد، ڈاکٹر حافظ	مولانا ڈاکٹر حافظ عبد الرشید اظہر کی ناگہانی وفات	مئی ۱۲	۱۲۷_۱۲۸
محمد رمضان یوسف سلفی	بابائے تبلیغ مولانا عبد اللہ گورداسپوریؒ	ستمبر ۱۲	۹۸_۱۱۲
صلاح الدین یوسف، حافظ	حاجی شیخ ظہور الٰہی ایک قابل اتباع نمونہ	ستمبر ۱۳	۸۵_۱۰۵
محمد یوسف انور، مولانا	چند بھولی بسری یادیں	ستمبر ۱۳	۱۰۶_۱۱۱
ابو عبد اللہ جابر دامانوی	علامہ حافظ زبیر علی زئی	دسمبر ۱۳	۸۶_۹۸

رپوتاژ، مکاتیب و تبصرے

ارشاد الحق اثری، تنویر بٹ	محمد عطاء اللہ صدیقی کی وفات پر تعزیتی خطوط	جنوری ۱۲	۹۱_۹۲
ادارہ	مدیر اعلیٰ کا سعودی عالمی کانفرنس میں "سلفیت" کے موضوع پر خطاب	جنوری ۱۲	۱۰۸
محمد شفیق، کوکب	محدث کا یک سالہ اشاریہ جنوری ۱۱ء تا دسمبر ۱۱ء	جنوری ۱۲	۱۰۹_۱۱۲
صلاح الدین یوسف، حافظ	'مسئلہ تکفیر و خروج' پر تبصرہ	جولائی ۱۲	۱۱۰_۱۱۱
عبد الستار، عبد العزیز	'تکفیر و خروج اور عبد الرشید اظہر' کے مضامین پر تبصرہ	جولائی ۱۲	۱۱۱_۱۱۲
ثریا علوی، پروفیسر	کتاب 'لغاتِ قرآن اور عورت کی شخصیت' پر ایک نظر	نومبر ۱۲	۱۰۵_۱۱۲
آصف، طارق، خضر	جامعہ لاہور الاسلامیہ میں ہونیوالے خطابات کا خلاصہ	ستمبر ۱۳	۱۱۲_۱۳۰

مجلس التحقیق الاسلامی کے زیر اہتمام ملت اسلامیہ کا علمی اور اصلاحی مجلہ

تبلیغ دین کے لئے مجلس التحقیق الاسلامی کی عظیم الشان
ISLAMIC RESEARCH COUNCIL
ویب سائٹس
محدث لائبریری
KitaboSunnat.com
محدث فتویٰ
UrduFatwa.com
محدث میگزین
Magazine.Mohaddis.com
محدث فورم
Forum.Mohaddis.com
یومیہ 15000 وزیٹر
ہر لمحہ 2000 قارئین
زیرسرپرستی
ڈاکٹر حافظ عبدالرحمٰن مدنی
ڈاکٹر حافظ حسن مدنی
زیرنگرانی
ڈاکٹر حافظ انس نضر
ڈاکٹر حافظ حمزہ مدنی
علمی معاونت
قاری مصطفیٰ راسخ
قاری خضر حیات
فنی معاونت
انجینئر محمد شاکر اعوان
انجینئر عمیر حسن راجہ
خصوصیات
اسلامی کتب، مضامین اور فتاویٰ کے لیے مقبول ترین اور روزانہ اپڈیٹ ہونے والی ویب سائٹس
اسلامی لٹریچر اور شرعی مسائل کے لئے دنیا بھر سے ملنے والے مطالبوں کی تکمیل
یومیہ مناسبت کے مطابق خصوصی مضامین
تمام ویب سائٹس اردو زبان میں
تمام ویب سائٹس پر تبصرے و جائزے اور تاثرات و شماریات کی سہولت
جاری پروگرام
محدث لائبریری
(KitaboSunnat.com)
یومیہ 3 کتب کا اضافہ (PDF)
حالات کی مناسبت سے اہم مضامین
محدث فتویٰ
(UrduFatwa.com)
تمام سلفی مطبوعہ فتاویٰ جات کی اپ لوڈنگ
نئے پیش آمدہ مسائل کے فوری جوابات
محدث میگزین
(Magazine.Mohaddis.com)
45 سال کے تقریباً 90 فیصد شمارے
(Unicode / PDF)
محدث فورم
(Forum.Mohaddis.com)
موضوعات: 20829 ترسیلات: 170731
اراکین: 2497
مستقبل کے منصوبے
حدیث پراجیکٹ
محدث یونیکوڈ لائبریری
محدث آڈیو، ویڈیو سیکشن
رسائل و جرائد سیکشن
ماہانہ اخراجات پونے دو لاکھ روپے
زیر اہتمام مجلس التحقیق الاسلامی
J-99 ماڈل ٹاؤن، لاہور
Mobile: +92 322 7222288
anasnazar99@gmail.com
Account: kitabosunnat.com, 0093-01875659, Bank AlFalah, Urdu Bazar, Lahore Swift Code: ALFPKKA093

www.kitabosunnat.com magazine.muhaddis.com

CPL No. 49
Vol. 46 No.1
Monthly MUHADDIS Lahore
5866476
5866396

- عناد اور تعصب قوم کے لیے زہرِ ہلاہل کی حیثیت رکھتے ہیں
  لیکن تعصّبات سے بالاتر رہ کر اِفہام وتفہیم اُمت کے لیے رحمت کا باعث ہے۔
- علومِ جدیدہ سے ناواقفیت اور انکارِ انسانی ارتقاء کو تسلیم کرنے میں بخل کا درجہ رکھتے ہیں
  لیکن قدیم علومِ اسلامیہ کو فرسودہ قرار دینا اور مذہبی روایات کے حاملین کو دَقیانوس بتانا
  اُمت کی تباہی کا سبب ہے۔
- غیر مذاہب کے بارے میں معاندانہ رویہ اختیار کرنا اسلامی اَقدار کے منافی ہے
  لیکن دینِ اسلام پر غیر مذاہب کے حملوں کا دفاع نہ کرنا اور اسلام کی تبلیغ کا
  فریضہ سرانجام نہ دینا حمیتِ دینی اور غیرتِ اسلامی سے یکسر انحراف ہے۔
- تبلیغِ دین اور اشاعتِ اسلام میں حکمتِ عملی کو نظر انداز کر دینا مصالحِ دینیہ کے خلاف ہے
  لیکن حلال اور حرام کے امتیاز میں رَواداری برتنا اور قوانین ومسائلِ اسلامیہ کو نرم کر
  دینا اسلامی روح کو کمزور کر دینے کے مترادف ہے۔
- آئین وسیاست سے بیگانہ ہو کر عبادت کے لیے گوشہ نشین ہو جانا زندگی سے فرار ہے
  لیکن جدا ہو دین سیاست سے تو رہ جاتی ہے چنگیزی
- جاہل کو دور ہی سے سلام کر دینا عبادِ صالحین کے اَوصاف میں داخل ہے
  لیکن جاہلیت کو مٹانا اور باطل کا تعاقب کرنا عین جہاد ہے۔

اگر آپ ایسا منصفانہ اور معتدلانہ رویہ پسند کرتے ہیں تو

ماہنامہ محدث لاہور

کا مطالعہ فرمائیے، آپ اس کو ان جملہ صفات ومحاسن سے
مزین پائیں گے، اِن شاء اللہ!
کیونکہ اس کے مضامین اسی مخصوص طرزِ فکر کے حامل ہوتے ہیں۔

- قیمت فی شمارہ ۳۰ روپے
- زرِ سالانہ ۳۰۰ روپے

ISLAMIC RESEARCH COUNCIL 99-J, Model Town, Lahore 54700